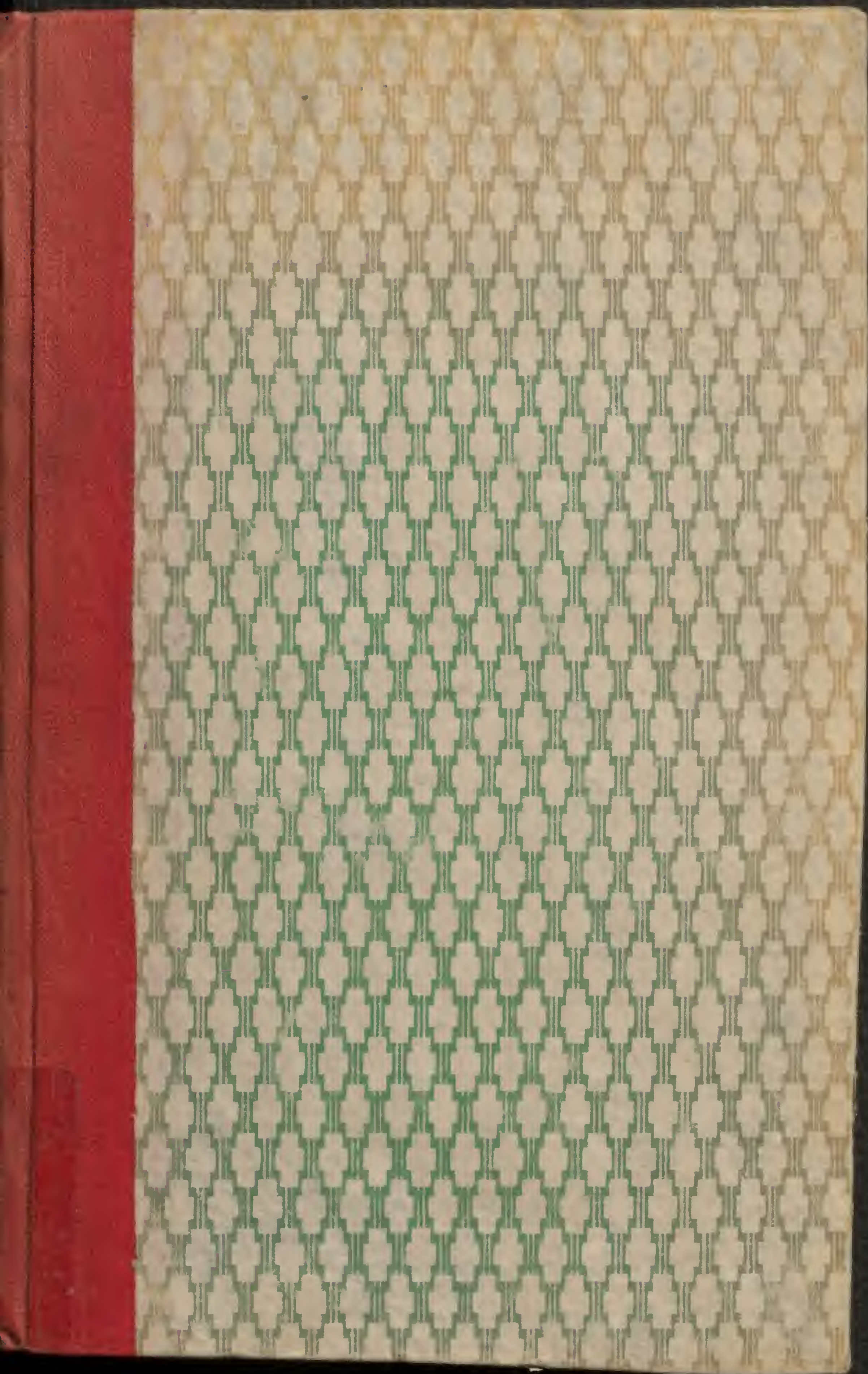


حضرت عمر اور اون کے زمانہ کے صحابیوں کا ایجاد نہ سمجھیے سنت نبوی صلی اللہ علیہ و سلم ہی سمجھئے ورنہ اس کے یہ معنے ہوئے کہ حضرت عمر سنی نہ تھے اون کے زمانہ کے صحابہ اُسنی نہ تھے سب کے سب نعوذ باللہ بدعتی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو مٹا دیا۔ اپنی سنت جاری کردی ۔ اب تمہیں فرماؤ حضرت عمر اور اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بُرا سمجھنے والا کون ہوتا ہے۔ میانجیو صاحب حضرت عمر اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم تو صحیح صحیح حدیثوں میں موجود ہے ایک دو حدیث لکھے دیتا ہوں اونہیں مولویصاحب سے اونکا ترجمہ کرالینا جو آٹھ رکعت گاتے پھرتے ہیں ایک حدیث تو یہ لیجئے۔ علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین من بعدی۔ دوسری یہ لیجئے اقتدوا بالذین من بعدی۔ تیسری یہہ لیجئے۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم

تم بعون اللہ الملک العلام

ناظرین کتاب ہذا کی خدمت مین عرض ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب طاب ثراہ کی تالیفات مطابع مختلفہ میں طبع ہوتی رہین مگر صحت اور صفائی کا مطلق لحاظ نہ کیا گیا تھا۔ مطبع قاسمی دیوبند نے اب یہ ارادہ کرلیا ہے کہ جمیع تصانیف حضرت رح نہایت تصحیح کے ساتھ اور عمدہ کاغذ پر طبع کرے اور جو غلطیاں اب تک ہوچکی تھیں اونکی پوری تصحیح کرے
مولانا کی جمیع تصانیف اور دیگر حضرات سرپرستاں دار العلوم کی تالیفات
ونیز ہر قسم کی درسی غیر درسی کتابیں مطبع قاسمی سے بنرخ ارزاں
ملتی ہیں فہرست دو پیسہ کا ٹکٹ بھیجکر منگا کر ملاحظہ
فرمالیجئے فقط۔

محمد عماد الدین انصاری غفرلہ ناظم مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

کہ جسطرف ایک جہان کا جہاں ہو وہی بات ٹھیک ہوگی با اینہمہ یہہ کونسی عقل کی
بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی چال ہم اختیار کریں یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض
جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوسرے طبیب
سے دوا نہیں پوچھتا یہ دیکھکر یہ بھی یہی انداز اختیار کرے اپنا علاج اپنے آپ کرنے لگے اور
طبیبوں سے کام نہ رکھے تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائیں گے یا بیوقوف سوا ایسے ہی
کسی عالم کو غیر مقلد دیکھکر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تھا یا نہ تھا عقل دین بھی
دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجے آجکل کے عالم یقین جانئے کل نہیں
تو اکثر جاہل ہی ہیں بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں دو کتابیں اردو کی
بغل میں مار کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے۔ کم سے کم علم اتنا
تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالبعلم کو پڑہا سکے باقی رہی تراویح اوس میں جو آجکل کے ملاؤں
نے تخفیف نکالدی ہے یعنی بیس کی آٹھ کردی ہیں تو ہر ایک کو بوجہ آسانی یہ بات پسند آئی ہے
پر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا کہ آٹھ رکعتیں جو حدیث میں آئی ہیں تو وہ تہجد کی رکعتیں ہیں تہجد
اور چیز ہے اور تراویح اور چیز تراویح کی بیس۲۰ ہی رکعتیں ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے
میں ہزار ہا صحابہ تھے اوس زمانہ سے لیکر آجتک کسی نے بیس رکعت میں کچھ حجت
نہ کی تھی مگر آجکل ایسے ان پڑھے امی عالم پیدا ہوئے ہیں کہ اونہوں نے حضرت عمر
اور صحابہ کی بھی غلطی نکالی سبحان اللہ یہ موںہہ اور مسور کی دال باقی یہ کہنا کہ حضرت عمر
سے پہلے بیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے یہہ خیال خام ہے یہ بات اتنی بات سے کیونکر
نکل آئی کہ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس کا اہتمام شروع ہوا دیکھئے پہلے زمانہ میں نکاح ثانی
کا اسلیئے چنداں اہتمام نہ تھا کہ اس نکاح کو اتنا برا نہ سمجھتے تھے جب شاہ ولی اللہ صاحب
نے یہ دیکھا کہ اس امر خیر کو آجکل معیوب سمجھنے لگے اونہوں نے اس کا ذکر اپنی تصانیف
میں کیا آخرکار اون کی اولاد اور اون کے شاگردوں نے اسکو جاری کرنے میں کمر
باندھی مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ یہہ نکاح ثانی شاہ ولی اللہ اور اونکے خاندان کا ایجاد
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بات نہیں ایسے ہی بیس رکعت کو

اور لام کے مکان سیم نہ کوئی پڑہتا ہے نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنی اسے لیکر اعلی تک ہر کوئی
اسبات کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظا پڑہنا بھی خلاف عقل ونقل ہے یہ بات
عقل ونقل کی روسے منجملہ تحریف ہے جسکی بُرائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پہر معلوم نہیں آجکل
کے عالم کسوجہ سے ایسی نامعقول بات کہدیتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کرلیتے
ہیں مگر شاید عوام فتوونکی مہرونکو دیکھکر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابونکا سمجھنا اور فتووںکا
لکھنا ہر کسیکو نہیں آتا۔ اب تقلید کی بات سنئے لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب
حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری انگریزی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج
اور ہر ایک ڈاکٹر لائق معالجہ ہے اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطبا یا مخالفت رائے ڈاکٹران
جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے ہر بات میں اوسی کا کہنا کیا جاتا ہے دوسرے
طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سُنی جاتی ایسے ہی وقت اختلاف آئمہ ومجتہدین جس
امام یا مجتہد کا اتباع کیا جاے ہر بات میں اوسکی تابعداری ضرور ہے ہان جیسے کبھی ایک طبیب
یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کیطرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا
اتباع مثل اول کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسیوجہ سے ایک
مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرلیا تھا اور بعد تبدیل مذہب ہر بات میں دوسرے ہی کا
اتباع کیا یہ نہیں کیا کہ ایک بات ان کی لی اور ایک بات اونکی لی اور اس تدبیر سے ایک
لامذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پہر حنفی
ہوگئے تھے بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کڑوروں عالم اور محدث گذر گئے پر مقلد
ہی رہے امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم اور فقیہ اور محدث تھے ترمذی شریف اونہی کی
تصنیف ہے باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتبار نہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے جب
ایسے ایسے عالم اس کمال علمی پر مقلد ہی رہے امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور
امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا
عالم ہوگا جسکے ذمہ تقلید ضروری نہو اور اگر کسی بڑے عالم نے امامونکی تقلید نہ کی بھی تو کیا ہوا
اول تو کڑوروں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سنتا ہے جس عاقل سے پوچھوگے یہی کہیگا

کیا حقیقت اسیطرح نصوص شرعیہ معلوم الوضع غیر متشابہ اور متشابہ کو سنکر اونکے معانی یا حقیقت میں متامل ہونا آپ سے عاقلوں کا کام تو کیا جاہلوں کا کام بھی نہیں اور جو بات شارع کی طرف سے بیان ہوئی اور احتمالات عقلی اوس میں گوناگوں ہوں اوسکی تحقیق بغرض عقیدہ محض تضیع اوقات اور اگر خدانخواستہ پاس سخن ہے اور آپ سے عاقلوں کو کاہی کو ہوگا تو اوسوقت نہ پوچھنے سے کچھ فائدہ نہ بتلانے سے کچھ نفع والسلام فقط شکر ہے کہ سید احمد خانصاحب کے خط کا جواب ختم ہوا۔

جواب مولوی محمد قاسم صاحب رح کا در باب تقلید و تراویح آٹھ رکعت اور پڑھنا ضاد کا بمخرج ظا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدمت میں علماء دین کے عرض ہے کہ ایک شخص کوہ لنڈھورہ پرگنہ نگینہ ضلع بجنور کا رہنے والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظا پڑھو ورنہ نماز باطل ہوگی اور تراویح آٹھ رکعت پڑھو بیس رکعت پڑھنا فضول ہے اور تقلید کسی امام کی نہ کرنا چاہیئے جسحالت میں کہ چاروں مذہب درست ہیں پھر امام اعظم رحمۃ اللہ کی تقلید سے کیا فائدہ ہے جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مزین فرماکر ارسال کریں کہ اوس شخص کو جواب دیا جاوے۔

جواب مخدوم من میانجی گیسا صاحب سلامت۔ بعد سلام یہ گذارش ہے کہ میں پرسوں تیسرے روز پیر کے دن دیوبند سے یہاں اپنے وطن میں پہنچا آپکا خط ملا دیکھ کر رنج ہوا کیا خدا کی قدرت ہے کہ آجکل جسطرف سے صدا آتی ہے یہی آتی ہے کہ وہاں مسلمانوں میں اختلاف ہے وہاں نزاع ہے کہیں سے اتفاق کی خبر نہیں آتی ہاں کفار کے جتنے افسانے سنے جاتے ہیں یہی سنے جاتے ہیں کہ یوں اتفاق ہے اسطرح اتحاد ہے خیر بجز انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہئے آپ کی خوشنودی خاطر منظور ہے اسلئے جواب لکھتا ہوں ورنہ ایسے جھگڑوں میں دخل دینا محض فضول سمجھتا ہوں جناب من جیسے بے کی جا تے اور دال کی جگہ۔ ذ ل اور حا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین

فیثاغورسیوں کے نزدیک زمین اپنی حرکت وضعی پوری کرتی ہے اوس سے دوچند دیر اوسکے لئے رکھئے تو بھی یہی حساب برابر آئے اور اگر سرعت وبطوٴمین اس تفاوت کے سوا اور تفاوت تجویز کیجئے پر جتنا ادہر گھٹتا ہے اودہر اتنا ہی بڑہا دیجے مثلاً یہ چالیس گھنٹہ میں دورہ پورا کرے تو وہ چھپن میں حرکت مجوزہ طرفین سے کسی کی حرکت زیادہ سریع ہو تو پھر ہزارہا اصل نکل آئیں گے اس صورت میں یقین احتمال واحد بالیقین اوس سے بھی زیادہ نادانی کی بات ہے کہ کسی پتھر کی فقط حرارت کے وسیلہ سے اگ کا تعین کرلینا کیونکہ وہاں دو تین ہی اصل تھی یہاں غیر متناہی احتمال ہیں ہاں جیسے آگ کے وسیلہ سے پتھر کی حرارت کا یقین اپنی آنکھ کے بہروسے یا کسی مخبر صادق کے بہروسے کرسکتے ہیں ایسے ہی تعین احتمال واحد اعنی حرکت آفتاب بوسیلہ قرآن شریف اعنی جہت یسبحون وغیرہ اور نیز احادیث کثیرہ کرسکتے ہیں باقی اس سے زیادہ گفتگو کہ پھر زمین بالکل ساکن ہی ہے یا کوئی حرکت اسکی بھی ہے اور کواکب میں آبادی بھی ہے یا نہیں اور زمین ٹھوس ہے یا اسکے بیچ میں کچھ خلو یا آبادی بھی ہے اور آسمان محیط عالم کروی یا بیضوی ہے یا مثل تختہ مسطح ہے ایک وسیع چیز اور وسیع سیارہ میں سے ہر ایک کیلئے آسمان ہے یا ایک ہی میں مرکوز ہیں یا کسی میں مرکوز نہیں تو اون میں افلاک جزئی ہیں یا آسمان کا تحتن ایک جسم سیال ہے اور اسیوجہ سے کواکب اسطور سے متحرک ہیں کہ قرب و بعد مشہود صحیح ہوجاتا ہے اور باایہمہ مثل آب حوض کہ باوجود متحرک وسیلان کے مجموعہ کا حیز وہی رہتا ہے آسمان بھی اپنی حیز سے نہیں نکل جاتا علیٰ ہٰذا القیاس یہ بات کہ اون دروازوں میں کنڈے زنجیر بھی ہیں یا انگریزی کھٹکے ہیں اور ایسے ہی یہ بات کہ کواکب تمام بالذات روشن ہیں یا بالعرض یہ ساری باتیں ہماری توجہ توغل کے قابل نہیں کیونکہ امکان ہر طرح کا ہے اور مخبر صادق کی طرف سے کوئی تصریح نہیں ہاں عرش کرسی میں یا بعضے الفاظ اس جانب مشیر ہیں کہ یہ دو چیزیں ہفت آسمان سے علیحدہ ہیں اور بعض الفاظ اس جانب موہم ہیں کہ انہیں میں دو کا نام عرش کرسی ہے مگر چونکہ اسباب میں شارع کی طرف سے نہ کوئی تصریح ہے نہ تکلیف عقیدہ براہ استدلال اسلئے نہ آپ کو اسباب میں سوال مناسب ہے نہ ہمکو جواب واللہ اعلم بالصواب بالجملہ جیسے اس جملہ میں کہ کچہری کہل گئی یا اوسکا دروازہ کہل گیا بعد استماع اور علم وضع حاجت تحقیق نہیں رہتی کہ دروازہ سے کیا مراد ہے اور کچہری کی

ممکن اور محال کی تعریف کو ان امور پر مطابق کر کے دیکھئے معلوم نہو تو پوچھئے ہاں اتنی گذارش ملحوظ رہے کہ محال وممکن کی تعریف کسی کسی کو معلوم ہے یہی وجہ ہوئی کہ بڑے بڑے آدمی اکثر ممکنات کو محال سمجھ بیٹھے مگر پہلے سے کسی کی نسبت یہ گمان کر لینا کہ وہ سمجھتے نہ ہونگے کسی عاقل کا کام نہیں اور نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ خاتم النبیین سے یہ بات بالیقین سمجھنی ضرور ہے کہ عالم میں اس زمین میں کوئی نبی ہو یا کسی اور زمین میں سب آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسطرح مستفید ہیں جیسے آفتاب سے آئنہ مستنیر یا قمر منیر یا نیرات افلاک یا ذرات خاک یعنی جیسے در و دیوار مقابل آئینہ مستنیرہ کے نور معدن کی تجسس کرتے ہیں تو فرض کرو آیئنہ پر نظر پڑتی ہے اور اوسکے نور کے بعد معدن کو ڈہونڈہتی ہے تو آفتاب تک پہونچتی ہیں اور پھر آفتاب پر سیر ختم ہو جاتی ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آفتاب کا نور کہیں اور سے اسیطرح آیا ہے ایسے ہی اور انبیا کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اسبات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان اور آخر الادیان ہونا اسیطرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا یا کھیتی میں بال کا سب میں پیچھے ظاہر ہونا اسبات کی تحقیق زیادہ مطلوب ہو تو رسالہ تحذیر الناس مؤلفہ احقر مطبع صدیقی بریلی سے منگا دیکھئے اس وقت اور نبیوں میں جو انبیا آپ کے مشابہ ہونگے اونکی مشابہت ایسی ہوگی جیسے عکس آفتاب جو آئینہ ہوتا ہے ہو بہو آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے اور پھر سب جانتے ہیں کہ آفتاب اصل ہے اور عکس آفتاب اوسیکا پرتو اور نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ جیسے آگ کو دیکھکر حرارت کی نسبت بھی یقین ہو جاتا ہے اسیطرح حرارت کو کہیں پاکر آگ کا تیقن کم فہمی کی نشانی ہے یہ جدی بات رہی کہ حرارت کیلئے جیسے آفتاب سبب ہو سکتا ہے ایسے ہی آگ بھی سبب ہو سکتی ہے سو طلوع وغروب صیف وشتا خسوف وکسوف کا حساب جیسے اس صورت میں راست آجاتا ہے کہ آفتاب کو ساکن ملنئے اور زمین کو متحرک رکھئے ایسے ہی اسطرح بھی برابر آتا ہے کہ آفتاب کو متحرک کہئے زمین کو ساکن تجویز کیجئے علیٰ ہذا القیاس اگر آفتاب کے لئے حرکت سالانہ ہو اور زمین کے لئے حرکت وضعی مخالف جہت حرکت آفتاب ہو تب بھی یہی ثابت ہے اور اگر دونوں کو متحرک سفے الدارین رکھئے پر ہر ایک کی جہت جدی ہو اور سرعتہ وبطوبین یہ حساب ہو کہ جتنی دیر میں بطلیموسیو نکے نزدیک آفتاب اپنا دورہ پورا کرتا ہے اوس سے دو چند دیر تو اوسکے لئے رکھئے اور جتنی دیر میں

اور باین خیال کہ میرے یا تمہارے خیال میں یہ باتیں اور یہ مضامین محض بے فائدہ سمجھ میں آئے ہوں اون معانی میں انحراف نچاہیئے آپ بھی فرمائیں کہ آپ کی اور ہماری عقل ور دانش ہی کیا ہے جسکی ہتی خدا کی مصنوعات میں راے لگانے کو تیار ہوں ہمارے وجود میں جسقدر اجزا بند ہیں اونکی حقیقت اور اونکی غرض آجتک ہمکو معلوم نہیں ہوئی اور اگر ایک دو کی نسبت کوئی سخن ناتمام کسی نے کہہ بھی لیا تو کیا ہوا اس سارے عالم کے اجزا اور ارکان ہمکو کیا معلوم ہونگے اور پھر اُنکے حقائق اور اغراض کی کیا اطلاع ہوگی اسلیئے کلام شارع میں جس امر کی خبر یا جس حقیقت کے اثر کا ذکر ہو ہمکو بے تامل ماننا ضرور ہے ہاں مراتب اختیار کے موافق مراتب تسلیم و ایمان کا ملحوظ رکھنا ضرور ہے مگر چونکہ ادنی درجہ کی روایت حدیث سے بشرطیکہ کسی اعلی درجہ کی روایت یا اپنے کسی مساوی ہی درجہ کے معارض نہو بڑے بڑے مورخوں کی روایتوں سے زیادہ قابل اعتبار ہے اسلیئے کہ محدثین نے جن شرائط کو روایت میں ملحوظ رکھا ہے اوروں سے اونکا لحاظ نہو سکا اور نہ اونکے راوی حدیثوں کے رُواۃ کو پہونچے وہ ضعیف ہی کیوں نہوں تو اسلیئے فرق مراتب مذکور اگر کچھ اثر کریگا تو اہل ایمان کے حق میں اعتبار ہی کے مراتب کے بڑہانے گھٹانے میں اثر کریگا موجب بے اعتباری نہوگا بہر حال نہ اپنے خیال کا وہ اعتبار ہے نہ کسی تاریخ کا وہ اعتبار ہے جسقدر حدیث ضعیف کا اعتبار ہونا چاہیئے اور اگر کسی امام نے قیاس کو حدیث ضعیف سے بڑھکر بھی سمجھا ہے تو اوسکی یہ وجہ ہے کہ قیاس ماخوذ حدیث صحیح یا متواترات سے ہوتا ہے اس صورت میں حدیث ضعیف سے قیاس بڑھکر نہ ہا وہ حدیث صحیح یا متواترات اوس سے بڑھکر رہے ہاں اگر خدا اور رسول کیطرف جھوٹ بولنے کا احتمال ہو یا قدرت خدا کے سامنے ایسے ایسے امور عظام کا پیدا کرنا محال ہو تو البتہ ایسی باتوں میں تامل کی گنجایش ہے مگر آپ ہی فرمائے کہ ان باتوں میں سے کونسی بات محال ہے خداوند قدیر ایسے سات جسم جنکا دَلْ تو پان پان سو برس کی مسافت کے برابر ہے اور وسعت کو خدا جانے نہیں بنا سکتا یا اون میں پانسو برس کی مسافت کے موافق فاصلہ نہیں رکھ سکتا اور یا آفتاب اور قمر کا اپنے حیّز سے حرکت کرنا محال ہے یا آسمانوں میں دروازوں کا ہونا منجملہ ممتنعات ہے یا سات زمینیں مثل سات توپ کے گولوں کے جدی نہیں بنا سکتا یا اون کے بیچ میں پان پانسو برس کا فاصلہ نہیں رکھ سکتا یا اونمیں آبادی نہیں ہو سکتی

کے ساتھ کئے جاتے ہیں اگرچہ یہ جانتے ہوں کہ اس جسم کے پردہ میں روح انسانی مستور ہے ایسے ہی اوس سلام و ایمان کے ساتھ جو پیرایہ کفر رکھتا ہو خداوند بے نیاز و جمیل کو بمقتضاے ان اللہ جمیل یحب الجمال ایمان کے بری صورتوں کو پسند نہیں کرتا نفرت ہوجاویگی اور تمام یا اکثر معاملات وہی کئے جاوینگے جو کفر حقیقی کے ساتھ کئے جاتے ہیں زیادہ حکمت بلقمان آموختن است اللہ یہدینا وایاکم الی سواء الصراط واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

بعالیخدمت جناب سید احمد خانصاحب عافاہ اللہ وایای فی الدنیا والآخرہ

کمترین ہیچمدان **محمد قاسم** بعد سلام مسنون گذارش پرداز ہے کل دوشنبہ کے دن دیوبند سے آپکا وہ عنایت نامہ جسمیں تیرہ سوال متعلق زمین و آسمان تھے اس ہیچمداں کے پاس پہونچا اور باعث حیرت ہوا وجہ سوال دیر تک سوچی کچھ سمجھہ میں نہ آئی تسپر آپ جیسے عاقل و فہیم و واقفکار کلام اللہ وحدیث کیطرف سے ان سوالونکا آنا اور بھی تعجب انگیز ہے جی تو یہی چاہتا تھا کہ کیوں اس جھگڑے میں پڑیئے اور اپنی اوقات کو خراب کریئے پر آپکی عنایتونکی مکافات تھوڑی بہت ضروری سمجھکر جواب سوالات بتفصیل تو نہیں لکھتا ہاں بتقریب جواب خط کچھ اشارہ کئے جاتا ہوں جناب سید صاحب اپنا تو یہ مشرب ہے، اور آپ غور فرمائیں گے تو آپ بھی انشاء اللہ ہماری ہی راہ لینگے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام تعلیم زبان ولغات کیلئے تشریف نہیں لائے بلکہ اوسی زبان کے محاورات میں امتیونکو تعلیم فرمایا ہے جو اونکی اصلی زبان ہوتی ہے خود خداوند کریم فرماتے ہیں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اس صورت میں سماء اور ابواب کے معنی جو زبان عربی میں ہونگے وہی لینے ضرور ہونگے ہاں ہر زبان میں جیسے حقیقی معنوں میں الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور بے تکلف اون الفاظ سے وہ معانی مراد لیتے ہیں تنبیہ اور قرینہ کے محتاج نہیں رہتے ایسے ہی بعض اوقات بہدایت قرائن معنی مجازی بھی مراد لیتے ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ اس صورت میں معنی مجازی کا لینا خود معنی حقیقی کی تحقیق کی دلیل ہوگا والعاقل تکفیہ الاشارۃ علی ہذا القیاس ابواب اور اعداد مثل خمس مائۃ اور ستین اور سبعون وغیرہ الفاظ سے معانی وہی مراد لئے جائیں جو معانی عرب کے لوگ ان سے مراد لیتے ہیں اور

کے بیکار جانے کا سبب اعظم ہے اسوجہ سے اس زمانہ میں ایسی باتوں میں مغززنی بیہودہ نظر آتی ہے مگر کچھ آپکا اصرار کچھ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد کچھ جناب سید صاحب کے اخلاق والطاف کی شہرت نظر برین دردمندی ومحبت اسلام نے جو ہمت والوں اور خیر خواہان عالم کے ساتھ زیادہ ہونی چاہئے۔ رہنے ندیا پرسوں یہ خط ملا تھا بعد ظہر جواب شروع کیا تھا اوقات مختلفہ میں لکھ لکھکر اسوقت مابین ظہر وعصر تمام کیا پر یہ سوچتا ہوں کہ یارب اسکا انجام کیا ہوتا ہے میرے تغیر وتبدیل والحاق وتغلیط وتصحیح سے دیکھئے سید صاحب راضی ہوتے ہیں یا ناخوش ہوکر درپے تردید قلم اٹھاتے ہیں مگر میں نے بھی ٹھان رکھا ہے کہ ایسے جھگڑے میں پڑکر اپنی اوقات خراب نہ کیجئے ہاں اگر آثار انصاف پرستی جناب سید صاحب کی طرف سے نمایاں ہوئے اور بحکم امرہم شوری بینہم اپنے خیالات سابقہ وحال میں مجھسے بھی مشورہ کرینگے تو انشاء اللہ حسب ارشاد المستشار موتمن مشورہ خیر سے دریغ نہ کرونگا مگر جب اپنی حیثیت اور اونکی وجاہت پر غور کرتا ہوں تو یہ خیال ایک آرزوی خام نظر آتا ہے اور خود مجھکو اپنے اس جنون پر ہنسی آتی ہے خیر ہرچہ بادا باد اب تو آپ کی خدمت میں اس مسودہ ہی کو ارسال کرتا ہوں پر بنظر مصلحت چند در چند یہ گذارش ہے کہ آپ بہت جلد ان اوراق کی نقل کراکر مقابلہ کر کے نقل کو جناب سید صاحب کی خدمت میں روانہ کردیں اور اس اصل کو بجنسہ بہت جلد میرے پاس واپس بھیجدیں اور میری طرف سے بعد سلام یہ گذارش کر بھیجیں کہ اگر اثناء تحریر میں کوئی کلمہ مخالف طبع بوجہ جہل وغفلت مجھسے سرزد ہوگیا ہو تو معاف فرماویں کہ ہم قصباتی انداز گفتگو سے خوب واقف نہیں باقی یہ آپکا ارشاد کہ اجتماع اقرار وتوحید وکفر منجملہ محالات ہے بجا ہے کیونکہ یہ ایسا اجتماع ہے جیسا فرض کیجئے کسی روح میں حیوان ناطق اور حیوان ناہق دونوں مجتمع ہوجائیں سو کون نہیں جانتا کہ یہ اجتماع از قسم اجتماع الضدین ہے پر اسمیں بھی شک نہیں کہ روح انسانی کا صورت حمار وسگ وخوک میں آجانا اور ویسے ہی ارواح کو ایسے اجسام کے ساتھ متعلق کردینا جسطرح ممکن ہے اسیطرح ایمان کا صورت کفر میں ظہور کرنا اور کفر کا صورت ایمان میں ظاہر ہونا بھی ممکن ہے اور اسیطرح کے ظہور کے بعد جیسے روح انسانی کو بوجہ صورت وجسم حیوانی سگ و خوک وخر کی اقسام میں سے شمار کیا جاتا ہے اور مثل حیوانات مذکورہ اس سے بھی ہر کسیکو نفرت ہوجاتی ہے اور تمام یا اکثر معاملات اسوقت اسکے ساتھ ایسی ہی کئے جاوینگے جیسے اور حیوانات

اپنا شیوہ نہیں خواہ مخواہ کسی کی بات میں دخل دینے کی عادت نہیں اور ہوتی بھی تو کیا ہوتا حسب ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اذا رایت ہویٰ متبعًا وشحًا مطاعًا ودنیا موثرۃ واعجاب کل ذی رائی برأیہ فعلیک بخاصتہ نفسک ودع امر العوام اوکما قال اس زمانہ میں مستحسن بھی ہے کہ کتنی ہی بڑی زبان کیوں نہو پر اپنے موہنہ میں لئے بیٹھے رہنا چاہئے کیونکہ جو سامان خیر خواہی کے موثر ہونے کے ہیں وہ یک لخت مفقود ہوجاتے ہیں اور جو سامان اولٹے تعصب کے ہیں ایسے اوقات میں سب فراہم نظر آتے ہیں اسصورت میں موافق فرمودہ مومن ؎ غرض ایمان سے ضد اوس غارت گر دین کو ٹھیری ❊ تجہکو اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا ❊ اولٹا ترقی باطل کا کھٹکا ہوتا ہے۔ بالجملہ یوں تو یہہ کھٹکا ہمیشہ ہی ہوتا ہے پر آجکل پہلے سے زیادہ باتیں نظر آتی ہیں قدیم سے لیکر آجتک جو یہ رہا کہ ایمان کم اور کفر زیادہ تو اوسکا باعث یہہ تھا کہ خواہش کا غلبہ بخل کا زور دنیا کی آخرت سے عزت زیادہ رہی پھر ہر شخص اپنی عقل پر نازاں اسلیئے باوجود اس کے کہ اسلام کے لئے کتابیں نازل ہوئیں پیغمبر آئے معجزے دکھلائے اولیاء کی کرامتیں علما کے دلائل نے حق و باطل کو ظاہر کر دیا ثواب عقاب کے وعدہ وعید سے بتلایا ڈرایا مطیعوں کو دنیا میں غالب مخالفوں کو مغلوب کیا اور کفر کیلیئے ان سامانوں میں سے ایک بھی نتھا کفر ہی زیادہ رہا اسلام کبھی عالم میں زیادہ نہوا حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وہ احسان کیا کہ کسی صاحب قوم نے اپنی قوم کے ساتھ نہ کیا ہوگا یعنی عذاب شدید اور قید فرعون سے چھوڑا کر بادشاہ روئے زمین بنا دیا تسپر وہ اولوالعزمی اور توجہ اور ایسے ایسے معجزے کا ہیکو ہوتے ہیں ادہر توافق ملت اور بھی اطاعت کیلیئے موید لیکن باایںہمہ تسلیم احکام میں یہ دقت تھی کہ پہاڑوں کو سر پر اُٹھا اُٹھا معلق کرنا پڑتا تھا مگر سامری کے ایک کرشمہ بے معنی پر جو ایک صوت مہمل تھی نہ سوال تھا نہ جواب تھا دم کے دم میں سب لٹو ہوگئے حالانکہ وہ کرشمہ بے معنی بھی حضرت موسی علیہ السلام کا طفیل تہا نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اونکی مدد کے لئے آتے نہ اونکے اسپ مادہ کی خاک سم کی تاثیر دیکھکر سامری اوس خاک سے اپنا کام لیتا وجہ اس برعکسی کی اور کیا ہے یہی ہے کہ یہ چار باتیں حضرت موسے علیہ السلام کی منشا کی ترقی کی مانع اور سامری کی ترقی منشا کے لئے موید تھیں جس میں سے اپنی عقل پر اعتماد کر لینا جسکو بصیغہ اعجاب کل ذی رای برایہ ادا کیا ہے خیر خواہی

فقط اسی وجہ سے تھا کہ اس منہدم کرنے میں جاہلان امت سے جو اخیر میں بکثرت مسلمان ہوگئے تھے یقین ارتداد و مخالفت تھا سو آپ نے سمجھا کہ اس تغیر و تبدل میں اتنا نفع نہ ہوگا جتنا نقصان ہوگا اس تغیر و تبدیل میں تو فقط اتنا ہی نفع ہے کہ وقت طواف و دخول خانہ کعبہ سہولت رہیگی اور خانہ کعبہ حالت اصلی پر آجاویگا اور ظاہر ہے کہ اسمیں کچھ ترقی دین نہیں جو انبیا علیہم السلام کا اول کام ہے ہاں نقصان اتنا کچھ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اوس سے زیادہ کوئی نقصان نظر نہیں آتا وہ کیا ہے ارتداد جم غفیر ہے جو بالکل مخالف غرض نبوت ہے اور پھر مخالفت بھی شدیدہ انبیا لوگوں کے مسلمان کرنے کے لئے آتی ہیں یہاں اولٹا اور کفر بعد اسلام لازم آتا تھا الغرض انبیا علیہم السلام کو ادن اون امور میں جو بذات خود نہ حسن ہوں نہ قبیح منافع و مضار پر نظر رہتی ہے پھر جیسے مزاج انسانی کے گرم سرد کہنے میں باوجود موجود ہونے اربع عناصر کے غلبہ عناصر پر نظر ہوتی ہے اسیطرح درصورت تعارض منفعت و مضرت غلبہ کا اعتبار کیا جاویگا چنانچہ خداوند کریم نے بھی تحلیل و تحریم میں اسی پر نظر فرمائی ہے فرماتے ہیں فیهما اثم کبیر و منافع للناس و اثمهما اکبر من نفعهما ہاں کبھی یہ ہوتا کہ ایک شے اکثر مظہر مضرت ہوتی ہے اور مظہر منفعت فقط گہ وبیگاہ ہو جاتی ہے جیسے کذب اکثر اس سے مضرت ہی نکلتی ہے تسپر کلام جس غرض کے لئے موضوع ہوا ہے یعنی اظہار ما فی الضمیر مظہر منفعت ہو یا مضرت کذب اوسکے مخالف واقع ہوتا ہے تو ایسے مواقع میں اندیشہ مخالفت ابنائے روزگار رہتا ہے اور یہ مخالفت موجب تنزل دین و خرابی انتظام دین ہو جاتی ہے اسلیئے انبیاء کرام تامقدور تعریضات سے محترز رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کارپردازان کارخانجات رفاہ کو جنکی درستی ایک عالم کے اجتماع پر موقوف ہو جیسے مثلاً مدرسۃ العلوم لازم ہے کہ ایسی باتوں سے پرہیز کریں کہ عوام اہل اسلام کے تنفر کا باعث ہو قطع نظر حرمت و کراہت ذاتی کے ایسے شخص کو بہت سے محرمات و مکروہات کے استعمال سے ایسی خرابی کا دیکھنا پڑیگا جسکے باعث اپنی امید دیرینہ سے دست برداری اور محرومی کا کھٹکا ہے بالجملہ انبیاء علیہم السلام کے کار میں اگرچہ ریاکاری نہیں ہوتی یعنی دنیا کے مقاصد کو پیرایہ دین سے طلب نہیں کرتے پر اسمیں بھی شک نہیں کہ دانشمندانہ ہوتے ہیں جاہلانہ نہیں ہوتے سو اگر اسی مصلحت اندیشی کی تجویز پر اندیشہ کفر ہے تو یہ عین ایمان کی بات ہے پر کفر کا فتویٰ دینا ہے اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اسکے بعد یہ گذارش ہے کہ بحث مباحثہ

علوم دین پر راحت دینی تو اول حسنات واحسانات دینوی دوم حسنات واحسانات اُخروی ہے اور تزکیہ وتہذیب قلب بغرض انبعاث محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے راحت اُخروی میں سے ہونگے اور اس تفاوت کی وجہ سے اول کو ثانی سے کچہ نسبت نہوگی مشروعیت قتال کفار اور اوسکا حسنات میں داخل ہو جانا اسی قسم میں سے ہے کیونکہ قتال مذکور قطع عضو فاسد جسمیں خیر خواہی بدن باقی ظاہر ہے منجملہ رفاہ باقی مخلوقات سمجھا گیا جب اسقدر آزار مقتولین دفع فساد کیلئے ثواب مستحسن ٹھیرا تو کذب صریح جسمیں کفار کو دھوکا دینا مدنظر ہو بغرض دفع فساد واعلاء کلمۃ اللہ کیونکر مستحسن نہوگا اسکا آزار اوس آزار سے جس سے بڑھکر کوئی آزار دنیوی نہیں یعنی قتل کچہ نسبت نہیں رکھتا جب مرض مذکورہ جائز ہوا تو یہ کیونکر نہوگا اور وہ حسنات میں سے ہوا تو یہ کیونکر نہوگا یہ مسلم کہ دفع فساد قتال مذکور سے حاصل ہوتا ہے اور کذب فی الحرب جو بطور خدیعہ کام آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے الحرب خدعۃ بغرض سہولت دفع فساد مطلوب ہے اسلئے تا مقدور کذب صریح جائز نہوگا تعریضات سے کام لیا جاویگا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات کو بھی مکروہ سمجھیں جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے مترشح ہے تو کچہ عجب نہیں ہاں جسجگہ دفع فساد خود کذب پر ہی موقوف ہو جیساکبھی اصلاح بین الناس میں ہوتا ہے تو پھر یہ تامل بیجا ہے بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیا علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں پھر تسپر تعریضات جو واقع میں اقسام کذب میں سے نہیں ہوتی بلکہ مشابہ کذب ہوتی ہیں ہرگز مخالف شان نبوت نہیں ہوسکتے علی ہذا القیاس کسی امر مستحب کا اس لحاظ سے ترک کردینا کہ اوسمیں کوئی فساد عظیم جسکا وزن منفعت استحباب سے بڑھ جائیگا پیدا ہوگا اگرچہ بظاہر مستلزم ایہام مخالفت واقع ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا کسی بات کو ترک کرکے ایک انداز کو اختیار کرلینا اسجانب مشیر ہے کہ یہی انداز مستحسن ہے اور امر متروک غیر مستحسن اور یہ امر بوجہ ایہام مخالف منجملہ دروغ سمجھا جاتا ہے ہرگز مخالف شان نبوت نہیں بلکہ موافق شان نبوت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خانہ کعبہ کو بطور سابق رہنے دینا اور منہدم کرکے بنائے ابراہیمی پر نہ بنانا اور دہلیز کا زمین سے نہ لگا دینا اور دو دروازے ایک شرقی ایک غربی نہ بنانا حالانکہ آپ کے کلام سے اوسی جانب رغبت ٹپکتی تھی اور آپ کی رغبت خود ایک دلیل استحباب ہے۔

ہوگی بلکہ داخل سلسلہ محاسن ہوجائیگا اور اگر کسی زمان ومکان مین جہت ثانیہ قوی نظر آئیگی
توحکم اول منعکس بہ ممانعت ہوجائیگا اور یہ فعل از قسم سئیات سمجھا جاویگا اب اسبات کا دیکھنا
رہا کہ کذب وتعریض میں اگر قبح ہے توکس قسم کا ہے ہم دعوی کرتے ہیں اور سب اہل عقل انشاء
اللہ تعالیٰ تسلیم ہی کرینگے کہ کذب بمعنی گفتار مخالف واقع بذات خود قبیح نہیں البتہ بلحاظ فریب
یا بد اعتقادی مردم جس سے اونکا ضرر متصور ہے یا متیقن قبیح ہوجاتا ہے ہاں کذب بمعنی فہم مخالف
واقع قبیح ذاتی ہے جسکو جہل مرکب کہتے ہیں اسصورت میں اگر گفتار مخالف واقع کسی موقع
میں خالی از مضرت ہوجائے یا اوسکے ساتھ بعد خلو از مضرت کوئی منفعت بھی لگ جائے یا دونوں
مجتمع ہوجائیں توپھر یہ ممانعت جو کذب مضر کے لئے ہے بحال خود نرہیگی پہلی صورت میں تو بذات
خود ایک لغو ہوجائیگا گو بایں لحاظ کہ کذب کی عادت رہیگی تو عجب نہیں کہ کذب مضر بھی صادر ہو
اور اسوجہ سے یہ عادت کذب مضر کے وسائل میں سے ہوجاویگی اور بالعرض قبح کذب مضر اسپر
عارض ہوجاویگا منجملہ قبائح شمار کیا جاسکتا ہے بہرحال قبح آزار واضرار مردم سے بالفعل یہ کذب
خالی ہوگا اسکی مثال تو اون جھوٹے قصّے کہانیونکا مشغلہ سمجھئے اور دوسری صورت یعنی جسمیں
بعد خلو از مضرت کوئی نفع بھی لاحق ہوجاوے یہ کذب داخل حسنات ہوگا اسمیں اگرچہ عاقل کو
کچہ شبہہ نہیں ہوسکتا لیکن بہر تسکین مثال بھی معروض ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور
ترغیب یہ ارشاد لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس او کما قال خود اسبات پر شاہد ہے کہ کذب
محمود ہے ہاں اگر قرینہ مقام سے قطع نظر کیجئے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسمیں اگر نفی ہے تو کذب یعنی
اوسکی قبح کی نفی ہے جس سے اوسکا سیئہ اور معصیت نہونا ثابت ہوتا ہے طاعت ہونا ثابت
نہیں ہوتا لیکن اسبات کا اگر لحاظ کیا جائے کہ یہہ ارشاد اوس تردد اور توہم کی مدافعہ کے لئے ہی
جو بوجہ ذہن نشین ہوجانے خرابی کذب کے ایسی اصلاح سے مانع ہوتا ہے جو بیان خلاف واقع پر
موقوف ہو تو پھر یہ ارشاد مسوق لاجل المدح ہی ہوگا اور تیسری صورت میں غلبہ و قوت جہات
متعارضہ پر نظر رکھنی چاہیئے اگر جہت منفعت غالب ہی تو منجملہ نافعات اور جہت مضرت غالب ہے
تو منجملہ مضرات سمجھا جائیگا پھر اگر منفعت دینی ہی تو حسنات دینی میں شمار کیا جائیگا اور اگر منفعت دنیوی ہی تو حسنات دنیوی میں
شمار کیا جائیگا مثلاً اطعام طعام و تعلیم علوم دنیوی پر منفعت دنیوی اور راحت دنیوی متفرع ہوتی ہے اور تعلیم و تلقین

جو اسباب میں نظر کیجاتی کہ اس انتساب میں بے ادبی لازم آتی ہے یا نہیں ہاں سچائی کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت مصطلح عوام کچھ ایسا امر ہوتا ہے جسمیں دروغ یا دروغ گوئی کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ہو جاتا ہے لیکن بایں نظر کہ انتساب مذکور کی بھی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا یکساں حکم نہیں منجملہ اونکے تعریضات بھی ہیں جنکے معنی مطابقی تو مخالف واقع نہیں ہوتے مگر اور موئدات مخالف واقع کیطرف کہینچ لیجاتی ہیں پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جنمیں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں اور ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضرور نہیں اگرچہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سبھی سے محفوظ رہے ہوں ہم کو لازم پڑا کہ اسباب میں ایک تحقیق مختصر بقدر ضرورت لکھیئے سو سنئے کہ بعض بعض افعال تو خیر بایں معنی ہوتے ہیں کہ اونکی وضع کسی امر خیر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے آگ احراق و حرارت کیلئے اور پانی رطوبت اور تربیت کے لئے موضوع اور مخلوق ہوئی ہیں ایسی ہی نماز مثلاً تعظیم باری کیلئے موضوع ہوئی ہے جنکی خیریۃ میں پھر کچھ تامل نہیں اور جسمیں اصلا شائبہ شر نہیں اور بعض افعال شر محض بایں معنی ہوتے ہیں کہ اونکی وضع کسی امر شر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے قطع اعضاء تخریب بدن اور فساد جسم کے لئے موضوع ہے ایسے ہی ظلم و ستم آزار مردم اور زنا حد سے بیحیائی کے لئے موضوع ہوا ہے علی ہذا القیاس اور افعال کو سوچ دیکھئے مگر بعض افعال ایسے ہیں جنکی حد ذات اور مرتبہ حقیقت میں نہ کوئی خوبی ہوتی ہے نہ کوئی برائی تو یہ اگر نتیجہ حسن کے وسیلہ اور امر خیر کی ذریعہ ہو جاتے ہیں تو منجملہ محاسن سمجھی جاتے ہیں اور اگر کسی نتیجہ قبیح کے وسیلہ اور امر شر کے ذریعہ ہو جاتے ہیں تو منجملہ مساوی وذمایم شمار کئے جاتے ہیں مثلاً رفتار ابصار استماع وغیرہ کہ فی حد ذاتہ یہ امور نہ حسن ہیں نہ قبیح البتہ اگر رفتار مسجد کیطرف ہے تو منجملہ طاعات سمجھی جاویگی اور اگر شراب خانہ یا بتکدہ یا چکلہ کیطرف ہے تو سئیات میں داخل ہو جاویگی اور اگر کہیں دونوں مجتمع ہو جائیں تو پھر غلبہ کا لحاظ کیا جائیگا مثلاً اجتماع رجال و نساء مساجد میں اگر موجب حصول برکات جماعت و مزید ثواب ہے تو اندیشہ فتنہ اور خوف تعلق خاطر کہ بادیگرے بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے اسمیں اگر مکان یا زمان میں جہت اولی غالب ہوگی جیسے زمان برکت توامان حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ کمال زہد صحابہ و صحابیات غلبہ ایمان ابناء روزگار اندیشہ فساد اگر تھا تو موہوم تھا تو ایسے اوقات اور امکنہ میں اجازت

نہ آجائے جیسے سیر چاولوں میں اونکے اندازہ سے زیادہ گھی مٹھائی ڈالدینے سے خرابی آجاتی ہے یا فرض کیجئے کسیکے وجود میں آنکھ یا ناک وغیرہ اعضار میں سے کوئی عضو اوسکے وجود کے اندازہ سے زیادہ یا کسی انگرکھہ کرتہ وغیرہ میں آستین وغیرہ اجزا معلومہ سے کوئی ٹکڑا اپنے اور اوس کپڑے کے اندازہ سے بڑھکر مجموعہ کی خوبی میں رخنہ انداز ہوجاتا ہے گو قطع نظر اوس سے کوئی مقدار اون اشیاء کے لئے معین نہو مگر اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسباب میں اوسیکی رائے معتبر ہے جو اوس حسن خوبی کے ادراک کا حاسّہ بھی رکھتا ہو اندھا حسن صورت بنی آدم میں اس قسم کی رائے نہیں دیسکتا جبتکی زبان نہو اطعمہ کی خوبی یا خرابی میں لب کشا نہیں ہوسکتا سو ظاہر ہے کہ سوا انبیاء اس قسم کی بصیرۃ جس سے صورت مثالی مجموعہ احکام کی اسطرح معلوم ہوجائے جسطرح آنکھہ سے ہمیں تمہیں صورت اجماعیہ چشم و گوش و بینی و رخسارہ وغیرہ معلوم ہوجائے عطا نہیں ہوئی ہم لوگ اسباب میں اندھے ہیں اور نیز اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان احکام کے محل وہی احکام ہیں جنمیں مراعات صورت حاصلہ ہے اور جس جگہہ صورت پر نظر بھی نہیں فقط معنی ہی مقصود ہے جیسے جہاد میں غرض اصلی اعلاء کلمۃ اللہ ہے دن کو ہو یا رات کو مشرق کیطرف موںنہہ ہو یا غرب کیطرف تیر سے ہو یا بندوق سے سوار ہوکر کیجئے یا پا پیادہ تو ایسے احکام میں جو نسبت احکام سابقہ احکام سطلقہ ہیں اور وہ ان کی نسبت احکام مقیدہ اس نام کے سزاوار ہیں وہ اس نام کے احکام محافظت کی مداخلت نہیں ہوتی جب یہ بات مقرر ہوچکی تو ہم احکام محافظت کو احکام انتظامی اور احکام محافظت نام رکھکر عرض پرداز ہیں کہ ان احکام کو بہ نسبت مقاصد اور وسائل کے ایسی نسبت ہے جیسے چراغ کے لئے فانوس ہنڈیا وغیرہ اور آئینہ کے لئے چوکھٹا وغیرہ کو غرض یہ نہیں کہ احکام انتظامی کے سوا تمام احکام فطری ہیں بلکہ بعض ذرائع مقاصد سے بعد مرتبہ کے باعث یا بوجہ خفاء عروض بالعرض بھی مرغوب غیر مرغوب نہیں ہوتی ہاں اگر وسائل کو بھی منجملہ احکام محافظت کہئے اور وجہ تسمیہ میں تاویلیں کرلیجئے تو البتہ یہ فرق صحیح رہیگا مگر اسصورت میں تفریعات میں اون باتوں کی مراعات ضرور ہوگی جو متفرع علیہ میں ہوں۔ پانزدہم [15] - عوام تو مصلحت و غیر مصلحت کو جانتے ہی نہیں اسبات میں اگر لب کشا ہوتے ہیں تو علما ہی ہوتے ہیں ہاں ہر فرقہ میں باہم فرق عموم و خصوص ہوتا ہے مگر سید صاحب نے یہ نہ لکھا کہ مصلحت مصطلح عوام کیا ہے اور مصلحت مراد خواص کیا

جواب اصل پانزدہم

جدی نوع اور ابواب زکوۃ کے اوامر ایک جدی نوع ابواب صوم کی جدی ابواب حج کی جدی پھر نوع اوامر متعلقہ صلوۃ میں صلوۃ مامور بہ بالذات ہے اور طہارت اور جماعت اور مراعات صف اول وتکبیر اولی وقرب امام وانتظار جماعت ورباط مسجد ووضو قبل از وقت وغیرہ مامور بہ بالعرض جنمیں سے مراعات صف اول وغیرہ تو بالعرض کے بھی بالعرض ہیں اسلئے کہ مقصود اعظم ان امور سے نگاہداشت جماعت مسجد ہے اور وجہ اس تفریق کی ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ جماعت میں قطع نظر نماز سے کچھ ثواب نہیں ورنہ پریٹ وقواعد کے وقت ایک صف باندھ کر کھڑا ہونا بھی منجملہ طاعات سمجھا جاتا علی ہذا القیاس اور امور کو سمجھ لیجئے اور طہارت اگر بذات خود بھی مطلوب ہو تو یہ طلب جو اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الخ سے ثابت ہے لاجرم بوجہ صلوۃ ہے بذات خود طہارت یہاں مطلوب نہیں ادہر ذنوب میں دیکھئے نہی ابواب زنا جدی نوع ہے اور نہی شراب خواری جدی نوع اور نہی سود خواری جدی نوع علی ہذا القیاس پہر برین نوع زنا میں خود زنا بالذات منہی عنہ ہے اسلئے اپنے بیگانے سب سے زنا ممنوع ہے اور بوس وکنار وخلوت وغیرہ منہی عنہ بالعرض یعنی بوجہ شہوت واندیشہ زنا ممنوع ہیں بذات خود ممنوع نہیں ورنہ یہ معاملات مثل زنا اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہ سے ہرگز جائز نہوتے بلکہ اولئے یہاں اور جا کی نسبت زیادہ ممانعت ہوتی سو مامور بہ اور منہی عنہ بالذات کا نام تو ہم مقاصد رکھتے ہیں اور مامور بہ بالعرض کا نام ہم وسائل وذرائع اور دواعی رکھکر یہ گذارش کرتے ہیں ان دونوں قسموں میں تو باہم ایسا ارتباط ہے جیسا چراغ اور آئینہ میں وقت انعکاس نور ہوتا ہے علاوہ برین ایک اور قسم کے احکام ہیں جنسے مقصود مضمون تذلل وتعبد نہیں اگرچہ یہاں بھی بوجہ اطاعت تعبد لازم آجائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مرور دہور کے بعد حدود احکام متغیر نہو جائیں مثلاً اون نمازوں میں جنکے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں یہ حکم ہوا کہ فرض وسنت کے بیچ میں فصل زمان ومکان کر دینا چاہیئے یعنی کچھ دعا مانگ لی یا ایک دو وظیفہ مسنونہ بعد الصلوۃ مثل آیۃ الکرسی وتسبیح وتحمید وتکبیر پڑھکر دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہٹ کر سنت مابعد کو پڑھے علی ہذا القیاس قبل رمضان اور بعد رمضان متصل روزہ رکھنے سے ممانعت فرمائی ادہر تاخیر سحور اور تعجیل افطار کی قید لگائی مقصود ان سب سے یہی ہے کہ رفتہ رفتہ حدود خداوندی میں افزائش ہو کر ایسی خرابی حسن صورت مجموعہ احکام اسلام میں

۱۴ چہاردہم - اس اصل کے موافق احکام کی دو قسم کر کے قسم اول کی پھر دو قسمیں کرنی چاہئیں ایک امر و نہی حسن یا قبیح لذاتہ دوسرے امر و نہی حسن و قبیح لغیرہ سو جو امر و نہی متعلق بحسن و قبیح لذاتہ ہیں وہ تو بیشک موافق فطرۃ ہیں نہیں تو نہیں مگر ہاں یہ تاویل کیجئے کہ قسم ثانی بھی فطرت کے مطابق ہے بالذات نہیں بالعرض ہی سہی لیکن اس صورت میں جیسے قسم اول کی تقسیم بیکار ہے خود تقسیم اول اوس سے زیادہ بیکار ہے اور اوس سے زیادہ بیہودہ اور لغو کیونکہ وہاں فرق بالذات و بالعرض کے دریافت کرنے کے لئے کچھ ضرورت تقسیم بھی تھی اور یہاں تقسیم اول کی اس صورت میں کچھ ضرورت ہی نہیں خیر ہر چہ بادا باد اب آگے دیکھنا چاہئے یہ جو ارشاد ہے کہ اطاعت و عمل میں دونوں برابر ہیں اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ مراتب حسن و قبول میں سب برابر ہیں تب تو غلط ہے ابھی معلوم ہو چکا کہ خود حسن و قبح میں کمی بیشی ہے ظاہر ہے کہ موصوف بالذات ہمیشہ موصوف بالعرض سے اکمل ہوا کرتا ہے آفتاب نورانیت میں آئینہ اور در و دیوار سے زیادہ ہے اور یہہ بھی ہے کہ بقدر مراتب حسن و قبح ہی مراتب امر و نہی متفاوت ہونے چاہئیں یعنی یہ فرق فرضیۃ و وجوب و سنیت و استحباب و حرمت و کراہت تحریمی و اباحت اوس فرق مراتب حسن قبح ہی پر متفرع ہونی چاہئیں اس لئے کہ حاکم وہ ایک اللہ تعالیٰ محکوم یہ ایک بندہ عبارت حکم وہ ایک صیغہ امر و نہی پھر اگر فرق مذکور بھی نہو تو یہ فرق مراتب کہاں سے آئے اور یوں کہیں ایک آدہ جگہ اگر فرق عبارت سے اس فرق کو ثابت بھی کیجئے تو اور باقی فرقہائے معلومہ کی کیا سبیل ہوگی باایں ہمہ عبارت دربارہ مطلب مفہوم مخبر اور مظہر ہوتی ہے علت نہیں ہوتی اور علت کی ضرورت ہر حادث کے لئے ضرور ہے اور اگر یہہ مطلب ہے کہ اطاعت سبکی چاہئے کہ خدا کے یہاں کسی مرتبہ میں واقع ہوں تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے مگر اس کے یہ معنی ہونگے کہ مراتب وجوب و استحباب وغیرہ میں اگرچہ دونوں قسموں میں فرق ہو پر صورت ادا دونوں جا ایک ہی ہے جس طرح سے مثلاً چار فرض ادا کئے جاتے ہیں اوسیطرح سے چار سنت جسطرح تین فرض ادا کئے جاتے ہیں اوسیطرح تین وتر جتنی دیر اسمیں لگتی ہے اتنی ہی اوسمیں لیکن اس صورت میں اسباب کی تحقیق ضرور ہے کہ احکام اصلی کی کیا نشانی ہے اور احکام حفاظت کا کیا پتہ ہے سو ہم سے اگر پوچھئے تو اسکی تحقیق بقدر مناسب مقام یہ ہے کہ طاعات و ذنوب میں انواع متعددہ ہیں پھر ہر نوع میں ایک امر مقصود بالذات ہے باقی مقصود بالعرض طاعات میں مثلاً ابواب صلوۃ کے ادا امر ایک

متصور نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ بندہ صاحب اختیار ہے یہ نہیں کہ اختیار ہی نہیں دیا بلکہ مثل چوب و سنگ جو بظاہر ذوی العقول میں سے نہیں اور ارادہ سے بے بہرہ نظر آتی ہیں یہ بھی بے بہرہ ہے تو یہ بات بدیہی ہے مگر بدلالت سیاق اور شہادت عبارت سابقہ اس استثناء سے جو یہاں سے (مگر اس سے انسان اون قویٰ کے استعمال الخ) شروع ہوا ہے یہ معنی نکالنے بظاہر دشوار ہیں اور اگر یہ غرض ہے کہ انسان کو ارادہ بھی ملا اور پھر وہ ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ وہی ارتباط بھی رکھتا ہے جو ہمنے عرض کیا مگر با ایں ہمہ مثل احجار و اشجار مجبور نہیں جو اوسکے طرف بجز انفعال عمل کوئی انتساب ہی نہ ہو سکے تو یہ مسلم مگر اس صورت میں انکار جواز تکالیف یا خیال عدم جواز ثواب و عقاب جیسا بظاہر متوہم ہو سکتا ہے بالکل خیال خام ہوگا کیونکہ اس صورت میں تکلیف تو مثل صیقل آئینہ و غیر آئینہ سمجھی جائیگی جو بعد دعوی قابل العکس ہونے آئینہ اور غیر قابل العکس ہونے سنگ و چوب کے مخالفان دعوے کے لئے مسکت ہو سکتا ہے سو جیسے سنار یا صرّافِ کامل کا کھوٹے کھرے کو کسوٹی پر لگاکر بتلا دینا گاہک یا صاحب متاع کے دکھلانے اور ساکت کرنے کے لئے ہوتا ہے اپنے اطمینان کے لئے نہیں ہوتا ایسے ہی خدا کیطرف سے تکلیف کو بیان فرق مراتب انفعال کیلئے سمجھیے اور امتحانات لیبلوکم ایکم احسن عملا وغیرہ از قسم اتمام حجّت سمجھئے نہ از قسم استخبار و استفسار اور ثواب و عقاب کو ایسا سمجھئے جیسا آئینہ کو نظارہ کیلئے پیش نظر رکھیں اور پتھر یا چوب کو سامنے سے ہٹا دیویں سو جیسے اس رکھنے اور ہٹانے میں ایک کا اعزاز اور دوسرے کی تحقیر نکلتی ہے ایسے ہی اس ثواب و عقاب کو خدا کیطرف سے بیان فرق مراتب ظہور فعل کے لئے سمجھئے یعنی جیسے آئینہ سے بوجہ انعکاس نور آفتاب جو بعد قبول ظہور میں آتا ہے اور بعد انفعال رنگ دکھلاتا ہے ایک صدور نور مذکور اُدہر سے اِدہر کو ہوتا ہے جس سے انتساب فاعلیۃ درست سمجھا جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی قبول ارادہ کے بعد ایک انعکاس ارادہ بھی ہوتا ہے اور وہ ارادہ منعکس مرادات بشری پر اسطرح واقع ہوتا ہے جیسے نور منعکس از آئینہ در و دیوار پر واقع ہوتا ہے سو یہ اعزاز مذکور اسی فاعلیت کا نتیجہ ہے۔ سیزدہم۔ یوں کہنا چاہیئے کہ دین اون احکام کا نام تو یقینی ہے جو یقینی ہیں اور اون احکام کا نام ظنی ہے جو ظنی ہیں یعنی احکام یقینیہ کو یقیناً دین سمجھنا چاہیئے اور احکام ظنی کو ظناً کہنا چاہیئے بہر حال اطلاق دین دونوں پر چاہیئے پر فرق مراتب علم کے لئے یقین و ظن کی قید کا اضافہ ضرور ہے۔

جواب امر سیزدہم

اور معیار ہیں اگر وجدان اہل وجدان اوسپر مطابق آجائیں تو ایسے لوگ صحیح الوجدان ہیں ورنہ یہ عدم تطابق دلیل فساد فطرت ووجدان سمجھا جائیگا قرآن وحدیث اوس عدم تطابق کے باعث غلط نہ سمجھا جائیگا کیونکہ قلوب سلیم کو مثل اجسام صحیحہ ہر دم مرض کا اندیشہ لگا ہوا ہے پر قران وحدیث صحیح کو مورد صحتہ وسقم بایںطور نہیں کہہ سکتے کہ کبھی یہ صحیح ہو جاتے ہیں کبھی غلط جو روایت صحیح ہے وہ ہمیشہ صحیح رہتی ہے جو غلط ہے ہمیشہ غلط سو ظاہر ہے کہ قرآن شریف وحدیث متواترہ میں تو یہ احتمال غلط ممکن ہی نہیں رہی احادیث صحیحہ غیر متواترہ ہر چند احتمال غلطی اور مخالفت واقع اونمیں ممکن ہے کیونکہ اونکی صحت حسب اصطلاح محدثین بمعنی مطابقتہ واقع نہیں لیکن یہ ایسا ہی سمجھنا چاہیئے جیسا مرد صادق القول سے بوجہ غلط فہمی کسی بات میں غلط کہدینا سو جیسا یہ شاذو نادر ہے مثل عروض امراض خصوصًا امراض روحانی کثیر الوقوع اور غیر الزوال نہیں جو درباره اعتبار معاملہ برعکس ہو جائے یا احتمال مساوات ہو بہر حال یہہ قول کہ اگر یہ نہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجھاکے حقمیں دیکھنا گناہ ٹھہر سکے گا اگرچہ اس جگہہ بیموقع ہے کیونکہ استطاعتہ بصارة اور عدم استطاعتہ بصارة میں فطرة ہے نہ مطابق فطرة علی العموم ہرگز صحیح نہیں ہاں تاویل مذکور کے ساتھ کہے تو بجا ہے۔ دوازدہم[۱۲] انسان کو ایک اختیار اودہر سے مستعار عطا ہوا ہے پر وہ اختیار انسانی اختیار خداوندی کے ساتھ وہ رابطہ رکھتا ہے جو قلم ہمارے تمھارے ہاتھ کے ساتھ یا پچھلی کل کسی اگلی کل کے ساتھ اگر یہ نہو تو اختیار انسانی کو عطائے خداوندی کہنا غلط ہو جائیگا اور ارادہ انسانی مخلوق خدا نہ رہیگا کیونکہ ہر بالعرض کے لئے ایک موصوف بالذات چاہیئے ورنہ پانی کی گرمی اور زمین کی دھوپ کو آگ اور آفتاب کی حاجت نہوتی مگر جیسا ہر بالعرض کیلئے بالذات کی ضرورت ہے ایسے ہی اون دونوں میں تجانس بھی ضرور ہے جس نوع وجنس کا وصف عرضی ہوگا اوسی نوع وجنس کا وصف ذاتی ہونا چاہیئے زمین کا نور آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے آفتاب کی حرارت یا پانی کی رطوبت سے پیدا نہیں ہوتا اسصورت میں ضرور ہے کہ ارادہ انسانی ارادہ خداوندی کا پرتو ہو مگر جیسی حرکت نور زمین یعنی دھوپ حرکت آفتاب وحرکت شعاع نور آفتاب پر موقوف ہے بالاستقلال نہیں ایسی ہی حرکت ارادہ انسانی حرکتہ ارادہ خداوندی پر موقوف ہوگی چنانچہ خداند کریم خود ہی فرماتے ہیں وماتشاؤن الاان یشاء اللہ سو اگر مجبور ہونے سے مراد یہ توقف ہے اور بایں معنی انکار جبر ہے تب تو بلاشبہہ یہ انکار غلط اور لغزش عظیم ہے جسکا تدارک بجز توبہ

جواب اصل دوازدہم

جواب اصل یازدہم

اسیطرح ہو سکتا ہے کہ ایک فعل بوجہ اقتران مذکور کسی ملک یا ولایت میں مامور بہ یا منہی عنہ ہوجائے اور دوسرے میں نہو یا ہو تو بدرجہ کمتر ہو بعد ازیں یہ جوارشاد ہے کہ انبیائے علیہم السلام حسن و قبح کے بتانے والے ہیں اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بمنزلہ اطبار مبین ہیں آمر وجابر و حاکم نہیں تب تو غلط ورنہ جزا و سزاء دنیوی کے پھر کیا معنی ہیں یعنی افعال حسنہ یا قبیحہ کو اگر جزاء و سزاء دنیوی ایسی لازم ہوتی جیسے لوازم ذات اپنے ملزومات کو تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ خود بخود یہ قصہ ہو رہا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ مبین بھی ہیں اور آمر و جابر بھی ہیں تو مسلم پر اسصورت میں امور منصوصہ کا حسن و قبیح سمجھنا تو سب کو لازم ہوگا پر غیر منصوصہ کو بوجہ اقتران مذکور ہر کس و ناکس حسن و قبیح کہنے کا یا سمجھنے کا مجاز نہو گا اسکے لئے اتنی عقل و فہم کی ضرورت ہوگی جتنے مرتبہ حکمت کیلئے ضرورت ہے کیونکہ عروض و اقتران اور کیفیت و کمیت امور مقترنہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جو نسبتہ حکمیہ حقیقیہ کو نسبت حکمیہ غیر حقیقیہ سے تمیز کر سکے۔ یازدہم۔ یوں نہ کہیئے کہ تمام احکام اسلام فطرة کے موافق ہیں البتہ وہ احکام جو حسن لذاتہ یا قبیح لذاتہ ہیں اونکی خوبی اور برائی طبعی ہے پر وہ احکام جنہیں حسن و قبح عرضی ہوتا ہے بذات خود ہر وقت مرغوب یا غیر مرغوب نہیں ہوتے تا وقت عروض بالطبع یعنی بالفطرة تو نہیں البتہ بالعرض مرغوب یا غیر مرغوب ہو جاتے ہیں بعد زوال عروض وہ رغبت بالضرورت بدلجاتی ہے اگر بوجہ شدت گرسنگی یا تشنگی جسمیں ہلاکت کا اندیشہ ہو اغذیہ یا اشربہ محرمہ کا کھالینا یا پی لینا حسن یا مباح ہو جاتا ہے تو تا دم مخمصہ ہی یہ بات رہتی ہے اوسکو اقتضائے طبعی اور فطری نہیں کہہ سکتے مگر ہاں یوں کہئے کہ تا دم عروض ہی فطری کہنا مراد ہے پھر با اینہمہ میری اور تمہاری فطرة کا ذکر نہیں کیونکہ اول تو یہاں فطرة ہی مفقود فطرة اوس حالت کو کہنا چاہئے جو روح کیلئے بمنزلہ صحت جسمانی ہو جو جسم کیلئے قبل عروض مرض ہوتی ہے اور بعد عروض مرض مفقود ہو جاتی ہے اور اگر صحت جسمانی امراض جسمانی کی اوٹ میں آجاتی ہے مستور ہو جاتی ہے مفقود نہیں ہوتی تب کیا ہوا اس صورت میں اگر فطرة بھی اسیطرح مستور ہوئی تو کیا ہوگا ہوا نہوا جب برابر ہے تو اوسکو لیکر کیا چاٹئے یہی وجہ ہے کہ کفار و فجار کو ایمان و تقوی ہمیشہ برا ہی معلوم ہوتا ہے بہرحال ہوا فق اذا سرتک حسنتک و سائتک سیئتک طاعت میں لذت اور معصیت میں تکلف ہونے لگے تو البتہ ایسے اہل قلوب کو ارباب فطرة کہہ سکتے ہیں تسپر بھی سوائے نبی کسی کا قلب در بارہ صحت و سقم قرآن و احادیث کسوٹی نہیں ہو سکتا ہاں قرآن و احادیث صحیحہ البتہ کسیکی وجدان کے کھرے کھوٹے بتانے کیلئے کسوٹی

نہیں جو اوسکی سر و مصلحت سے آگاہ نہونا مانع تکلیف ہو سکے البتہ علم عمل تا ضرور ہے کیونکر کیجئے معہذا خارج از عقل ہونے کے اگر یہ معنی ہیں کہ عامل کی عقل میں اوسکے اسرار اور مصالح اور منافع اور علل نہ آئیں تو یہ تو سراسر غلط ہیں اور اگر یہ معنی ہیں کہ عقل اوسکے مخالف تجویز کرتی ہے تو اگرچہ اسکے امکان میں کلام نہیں ہو سکتا خاصکر اون لوگوں کے مشرب کے موافق جو علت حسن و قبح امر و نہی کے سوا اور کسی صفت ذاتی احکام کو کہتے ہیں لیکن واقع میں خدا کیطرف سے ایسا ہوتا نہیں پر اتنا اور ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس امر میں تمہاری ہماری عقلوں کا اعتبار نہیں وہ عقول جو بفحوائے فی قلوبھم مرض امراض روحانی کے باعث ایسی طرح فاسد ہو گئی ہوں جیسے قوت ذائقہ یرقانی ہرگز قابل اعتبار نہیں اسکے ادراک کیلئے اونکی عقل چاہیئے جنکے دل بفحوائے الامن اتی اللہ بقلب سلیم امراض روحانی سے ایسی طرح عافیت میں ہیں جیسے مرض جسمانی یرقان وغیرہ سے بحالت صحت ہماری آنکھیں اور زبانیں بچی ہوئی ہوتی ہیں ۔ دہم ۔ افعال مامورہ کے فی نفسہ حسن ہونے کے معنی اور افعال ممنوعہ کے فی نفسہ قبیح ہونے کے معنی موافق معنی متبادر لفظ فی نفسہ اگر یہ ہیں کہ حسن و قبح اونکا ذاتی ہوتا ہے تو یہ تو غلط صلوۃ وقت طلوع و غروب اور صوم عیدین اور صیام ایام تشریق بالیقین فی حد ذاتہ حسن ہے پر بوجہ اقتران وقت معلوم قبح عارض ہو گیا ہے علی ہذا القیاس قتال بنی آدم اور خدعہ فی الحرب جسکی تسلیم سے معتقدان قرآن و حدیث کو چارہ نہیں فی حد ذاتہ قبیح ہے پر بوجہ اقتران و انضمام اعلاء کلمۃ اللہ حسن عارض ہو جاتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ افعال مامورہ میں کچھ نہ کچھ حسن اور افعال ممنوعہ میں کچھ نہ کچھ قبح ہو کسی قسم کا سہی تو مسلم مگر اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ہر قسم کے مامورات میں سے ایک چیز حسن لذاتہ ہے جسکے عرض سے اور امور قابلۃ للحسن حسن ہو جاتے ہیں علی ہذا القیاس انواع ممنوعات میں ایک چیز قبیح لذاتہ ہو گی جسکے اقتران سے اور افعال قبیح بالعرض ہو جاتے ہیں پھر اسصورت میں اسباب کی گنجایش نکلیگی کہ بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز میں بوجہ اقتران مذکور حسن یا قبح عارض ہو جائے تو وہ بھی منجملہ مامورات یا منہیات ہو جائیگی یہ جدی بات رہی کہ مامور ہوگی تو کس درجہ کی اور ممنوع ہوگی تو کس درجہ کی مثال کی ضرورت ہے تو جمع قرآن اور تدوین کتب اور تنقیح حال روات و مراتب احادیث تو از قسم مامورات زمانہ آخر ہیں اور منہیات میں عورتوں کا مساجد میں آنا جانا علی ہذا القیاس توپ بندوق کے استعمال اور اشغال صوفیہ کے اشتغال کو سمجھئے

جواب اصل دہم

تعلق ہی نہ رہا تو اوسکے متعلقات یعنی ازواج واموال سے کیا تعلق رہیگا جو مانع میراث اور انقطاع نکاح ہو اسی طرح اور بہت سی نظیریں ہیں جنکو بے کہے اہل دانش سمجھ جائیں گے غرض موصوف حقیقی اور علت حقیقی کو دینیات میں علت مجازی اور موصوف مجازی سے پہچان لینا وہ حکمت ہے جسکی طرف آیت مذکور میں اشارہ ہے اور جسکی تعریف میں یہ ارشاد ہوا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا سوم مرتبہ حکمت پر اجتہاد کی اجازت ہے بشرطیکہ قرآن وحدیث پر بخوبی نظر ہو اور ناسخ ومنسوخ وضعیف وقوی کو پہچانتا ہو اور مرتبہ علم کتاب میں اگرچہ اجازۂ اجتہاد واستنباط احکام غیر منصوصہ نہیں ہو سکتے پر فقط احکام منصوصہ اور مضامین مندرجہ قرآنی میں خودرائی اور خودبینی کی اجازت ہے چنانچہ بدیہی ہے بعد اسکے اگر حکیم امت یا عالم کتاب سے کوئی خطا ہو جائے تو وہ ایسی سمجھنی چاہئے جیسے اسپ تیز گام باوجود سلامت اعضا وقوت رفتار ذرا سی غفلت میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اس ٹھوکر کھا کر گر پڑنیکو اسپ لاغر ولنگ کے گرنے پر قیاس کر کے جیسے سواری موقوف نہیں کر دیتے ایسے ہی حکیم امت وعالم کتاب کو بوجہ غلطی جو بمقتضاے بشری بوجہ غفلت ہو جاتی ہے خودرائی اور اجتہاد سے روکدینا نا سزا ہے یہ اونکی غلطی اس امر میں مثل غلطی عوام نہ سمجھی جائیگی باقی رہا وہ مرتبہ جو یتلو علیہم آیاتہ سے مستفاد ہے بادی النظر میں اگرچہ از قسم علوم ہے پر حقیقت میں یہ مرتبہ اون علماء ربانی کا مرتبہ نہیں جو کسیکے پیرو نہوں اگر نہ ورنہ جملہ یعلمہم الکتاب بیکار تھا ہاں حافظ علوم کہئے تو بجا ہے بہرحال ایسے لوگونکو اوروں کا اتباع ضرور ہے عالم بن بیٹھنا اور لوگونکی پیشوائی جائز نہیں آپ بھی گمراہ ہونگے اور اونکو بھی گمراہ کرینگے۔ پیشوایاں فرقہائے باطلہ سب اسی مرتبہ کے لوگ تھے جنہوں نے بوجہ اولوالعزمی اپنی فہم کے موافق اوروں سے اپنا کام لیا۔

جواب کلام نہم

نہم انسانکا خارج از طاقت انسانی مکلف نہو سکنا اور ہے اور نہونا اور سو اسمیں کچھہ کلام نہیں کہ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں مگر اسکے ساتھہ یہہ پچر غضب ہے کہ ایمان اور احکام موجب نجات عقل انسانی سے خارج نہوں پیرجی صاحب غور کا مقام ہے تکلیف مالا یطاق کے نہونے کی علت فقط یہ ہے کہ تکلیف سے غرض اعمال مکلف بہا ہوتے ہیں تکلیف خود مقصود بالذات نہیں ہوتی جو یوں کہا جائے کہ خدا اپنی بات اور اپنے کام کر چکے بلا سے بندوں نے اوسکی تعمیل ہو کہ نہو سو اتنی بات اگر ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قطع نظر عمل سے ایسی تکلیف ممکن تو تھی ہی اگر خدا نے ایسا حکم بھیجدیا تو کیا بُرا ہوا بلکہ مقصود بالذات عمل ہوتا ہے مگر ظاہر ہے کہ عمل اگر محتاج ہے تو قوت عاملہ کا محتاج ہے قوت عاقلہ کا محتاج

تو باعانت بار استعانت فہم رسا ہو تو غسل ہی لازم آجاتا ہے علی ہذا القیاس باعانت بار استعانت موضوع لہ راس کو بہ تدبیر لحاظ کیجئے تو تعلق ربع راس نکل آتا ہے ہاں راس کو کرہ حقیقی اور پانی کو سطح مستوی یا کرہ حقیقی کہئے تو پھر مسح بال ہی دو بال کا مسح فقط ثابت ہوگا بہرحال لفظ ظلم سے تمام گناہ کو مصرح سمجھ لینا اور لفظ راس سے تمام راس کو مصرح سمجھ لینا اور منصوص خیال کرنا ایک سینہ زوری ہے اور کچھ نہیں تیسرا مرتبہ علم میں وہ ہے جو جملہ یعلمہم الکتاب والحکمۃ سے لفظ حکمت کے وسیلہ سے سمجھ میں آتا ہے تحقیق اس مرتبہ کی یہ ہے کہ ہر حکم کیلئے ایک علت ہے اور ہر وصف کیلئے ایک موصوف حقیقی ہوتا ہے مثلاً مطاع ہونے کیلئے کمال و جمال و مالکیۃ نفع و ضرر علت حقیقی اور موصوف حقیقی اور محکوم علیہ حقیقی ہے اور وہ اوسکے معلول حقیقی اور وصف حقیقی اور محکوم بہ حقیقی اور نسبت فیما بین نسبت حقیقی علی ہذا القیاس ایک موصوف عرضی ہوتا ہے جیسے وصف رسالت یا خلافت اور اولو الامری مطاعیۃ کیلئے موصوف عرضی اور علت عرضی اور محکوم علیہ عرضی ہے اور نسبت فیما بین نسبت عرضی اور مجازی ہے یا یوں کہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہونی اور آپ کے ازواج کے نکاح کی حرمت کی علت اوروں کے ساتھ آپ کی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی کے تلے دیگر افاضہ حس و حرکت سے ایسی طرح معذور ہوگئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہو کر مکان میں افاضہ نور سے معطل ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف تھا موت کے آنے سے ایسی طرح زائل ہو جاتی ہے جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ آپ کی حیات بھی موت کے آنے سے زائل ہو جاتی ہے باقی یہ جو السلام علیکم یا اہل القبور سے ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتا لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات پیدا ہوتا ہے تو اوسکو اول تو ایسا سمجھئے جیسا بوسیلہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آجائے ایسے ہی یہاں بھی سمجھیے دوسرے اگرچہ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلاوطن کو اپنے وطن اصلی کے ساتھ تو گو اتنا تعلق موجب اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد ایسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ۔ بسا اوقات بہ نسبت اور بلاد کے احوال متعلقہ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہو جایا کرتا ہے پر اتنی بات سے قبض و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہ حیات ہو علی ہذا القیاس یہ نہیں کہ مثل شہداء ایک بدن سے تعلق چھوٹ کر دوسرے بدن سے تعلق پیدا ہو گیا ہو جسکے بھروسے یوں کہا جاوے جبکہ بدن اول سے

وعلّمناہ من لدنا علما فرماتے ہیں کشتی مساکین کو ظلماً توڑ ڈالا اور طفل نابالغ کو بیگناہ قتل کرڈالا یہ کلام اللہ میں موجود ہے آیات آخر رکوع یعنی اما السفینۃ سے لیکر آخر رکوع تک سے قطع نظر کیجیے تو ابناء روزگار سے پوچھہ دیکھئیے یہی کہیں گے کہ حضرت خضر کا قاتل بیگناہ۔ اور خارق سفینہ ظلماً ہونا منصوص ہے غرض اکثر یہہ ہوتا ہے کہ معنی حقیقی موضوع سے زیادہ بوجہ خیالات طبعزاد جو الفت وعادت پر مبنی ہوتے ہیں اور معنی زائد لگا لیتے ہیں اور خود اونکو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ ایجاد اپنی طبع کا ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اکثر ابناء روزگار بلکہ کل اسی قسم کے نظر آتے ہیں آخر ہر کسیکی کلام اوسکے مبلغ فہم پر دلالت کردیتی ہیں مگر آجکل اکثر عالم کہ بوجہ انصاف وہ عالم نہیں نیم ملا ہیں اپنے آپکو عالم فن دین کچھ ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے بندر نے نیل کے ماٹ میں گرکر اپنے آپ کو طاوس سمجھ لیا تھا انصاف کی بات جسکو اہل فہم خواہ مخواہ مان جائیں یہ ہے کہ علم کے تین مرتبہ ہیں ایک وہ جسکی طرف جملہ یتلو علیہم آیاتہ دلالت کرتا ہے اسکا ماحصل تو فقط اتنا ہے کہ عربی میں زبان دانی حاصل ہو جائے دوسرا وہ مرتبہ جسکی طرف یعلمہم الکتاب مشیر ہے اس مرتبہ کی حقیقت یہ ہے کہ مجملات کلام اللہ کو مشخص سمجھ جائے تفصیل اس اجمال کی بقدر مناسب یہ ہے کہ مفہومات کلیہ کیلئے ہزارہا تشخص محتمل ہوتے ہیں مثلاً انسان ایک مفہوم کلی ہے اور زید عمرو بکر کی خصوصیات زائدہ اوسکی تشخصات سوکلام اللہ میں اگر کوئی مفہوم کلی مصرح مذکور ہوا اور اوسکا تشخص وتعین مصرح تو مذکور نہو پر سیاق وسباق اور لواحق وتوابع کے وسیلہ سے بشرط رسائی فہم معلوم ہو سکتا ہو تو جو شخص اس بات کو بتلائے وہ معلم کتاب کہلائیگا الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم میں لفظ ظلم ایک مفہوم کلی پر دلالت کرتا ہے جسکے لئے صغیرہ اور کبیرہ اور شرک بدعت افراد ہیں مصرح اگر موجود ہے تو وہی مفہوم کلی موجود ہے اور تعیین شرک مصرح موجود نہیں ہاں لفظ لبس بوسیلہ ان الشرک لظلم عظیم اوسکی جانب مشیر ہے علی ہذا القیاس آیت وضو میں جرّ ارجُلِ کی قرارت کی صورت میں مسح ارجل تو عطف علی الروس کی صورت میں مصرح ہے اور اوسکے ساتھہ غسل قدم کا کچھ ذکر نہیں پر غسل بھی اوسکے ایک افراد میں سے ہے کیونکہ ہاتھہ کا پھیرنا سوکھا ہو جب مسح ہے اور تر ہو جب مسح ہے غسل کے ساتھ ہو جب مسح ہے اور فقط رطوبت قایمہ بالید کے ساتھہ ہو جب مسح ہے۔ غرض ایک مضمون کلی ہے جسکے افراد کثیرہ اور تشخصات متعددہ متصور ہیں جنمیں سے تصریح ایک کی بھی نہیں فقط ہے تو اوس مضمون کلی ہی کی تصریح ہے ہاں قید الی الکعبین کو دیکھے

موقوف ہو تو یون کہو کہ انبیاء کرام بھی مثل عوام اٹکل ہی کے تیر مارا کرتے ہیں بالجملہ منافع و مضار دنیوی میں انبیاء مشیر ہو سکتے ہیں پر اسکو عرض رائے کہئے امر نہیں کہہ سکتے جو یہ تفریق بجائے خود مستحسن ہو اس صورت میں ماحصل اس تقریر کا یہ ہو گا کہ ایجاد طریق آخرت تو انبیاء کا کام ہے اور ایجاد طریق فلاح دنیا اونکا کام نہیں پر بعض طریق فلاح دنیا معارض طرق فلاح آخرت ہوتی ہیں اور بعض موافق اور بعض ناموافق ہوتی ہیں نہ معارض سو جو طرق معارض ہوں جیسے چوری قزاقی غصب زنا وہ تو بوجہ مخالفت ممنوع ہوتے ہیں اور جو طرق موافق ہوتے ہیں جیسے قرآن خوانی یا وعظ گوئی پر لینا بایں وجہ ممنوع ہو جاتے ہیں کہ غلام سرکاری ہو کر کار سرکاری ہی پر اجرت مانگتے ہیں اور جو طرق نہ موافق ہیں نہ معارض اونکو ذریعہ فلاح دنیا اگر قرار دیں تو بجا ہے ان طرق میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہیگا کہ طرق فلاح آخرت کی معارض ہو جائیں چنانچہ بیوع و اجارات کا فساد و بطلان سب اسی پر مبنی ہے سو اس قسم کی ایجاد یا اوسکی ترقی و تنزل میں انبیا اگر دخل دیتے ہیں تو بطور مشورہ بتقاضاء خیر خواہی دخل دیتے ہیں خدا کیطرف سے اس مشورہ کی تسلیم میں ہرگز کچھ خواستگاری نہیں اور مقدمہ تابیر نخل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار کو انتم اعلم بامور دنیاکم فرمانا اسیوجہ سے تھا کہ آپ اس فن کے امام نہ تھے خدا کیطرف سے اسمقدمہ میں پیغمبر نہ تھے بہر حال امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس امر میں ہو واجب الاتباع یا مستحب الاتباع ہو گا ہاں مشورہ نہ واجب الاتباع ہے نہ مستحب الاتباع البتہ مقتضاء حسن ادب یہہ ہے کہ آپکے مشورہ کو بھی اوروں کے مشورہ پر مقدم جانے کہ اول تو مشورہ میں لحاظ کمال عقل ہی پر ہوتا ہے فقط تجربہ کاری پر نہیں ہوتا سو اس کمال میں ظاہر ہے کہ انبیا کیسے کامل ہوتے ہیں دوسرے اتباع کسی مقدمہ میں کیوں نہو موجب خوشنودی خاطر متبوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ خوشنودی خاطر انبیاء کرام کیا کچھ مثمر برکات ہو سکتی ہے کم سے کم ایک دعا ہی سہی اسوجہ خارجی و عارضی کے باعث ایسے مواقع میں بھی استحباب عرضی آجاتا ہے۔ ہشتم احکام منصوصہ کے یقینی اور اجتہادی کے ظنی ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے اگر ہو گا تو اس امر میں ہو گا کہ کونسا منصوص ہے کونسا نہیں اور کونسا اجتہادی ہے کونسا نہیں اور یہ میں اسواسطے عرض کرتا ہوں کہ بسا اوقات اکثر آدمی بوجہ قلت تفکر بعض امور کو منصوص سمجھ جاتے ہیں حالانکہ وہ منصوص نہیں ہوتی اور تو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں سمجھ گئے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جنکی شان میں خداوند کریم آتیناہ رحمۃ من عندنا

جواب سوال ہشتم

و ملزوم ہے تو اس صورت میں قول و فعل مذکور اس شخص کے حق میں قابل تسلیم ہے بلکہ اگر اس شخص کو اورونکی بنسبت اوس قائل و فاعل کے ساتھ زیادہ ظن غالب ہو تو بیشک بتوافق قواعد مشار الیہا واجب التسلیم ہوگا کیونکہ ہر شخص درباب دین اپنے ظن غالب کا کم سے کم محکوم ہے لیکن اتنا اور ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ منصب مذکور کے حاصل ہونے سے پہلے خود رائی ایسی ہے جیسے اندھا بے کسیکی ہدایت کے رہروی اختیار کرے عربی ترجمہ کر لینے سے فقط یہ بات حاصل نہیں ہوجاتی اگر کوئی شخص عربی داں حافظ کلام اللہ و حدیث بھی ہو تو کیا ہے اندھا شمع کے ہاتھ میں لے لینے سے سوجھا نہیں ہوجاتا اور پنساری دواؤں کے جان لینے سے طبیب نہیں بن جاتا باقی تفاوت واقع فیما بین انبیاء و علماء کرام مسلم مگر یہ تفاوت قادح وجوب مذکور نہیں ورنہ وہ تفاوت جو خدا تعالیٰ اور انبیا علیہم السلام میں واقع ہے اس تفاوت سے زیادہ ہے جو پیغمبروں اور اونکے امتیوں میں ہوتا ہے سو اگر محض تفاوت موجب سقوط اعتبار ہے تو یہ بات تو دور تک پہونچتی ہے اور اگر اضافت خداوندی یعنی یہ بات کہ اقوال انبیاء کرام درپردہ فرمودۂ خدا تعالیٰ ہوتے ہیں موجب وجوب اتباع ہے تو یہاں بھی یہ اضافت اپنا کام کریگی ہاں یہ مسلم کہ وہاں علم اضافت یقینی اور یہاں بوجہ احتمال خطا وغیرہ ظنی اسلئے تفاوت فی الوجوب پیدا ہوگا پر شرک فی النبوۃ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ ہفتم۔ یہ بات مسلم کہ اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دین میں ضرور ہے لیکن اگر احکام دین اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نام ہو تو پھر معلوم نہیں کہ اس تفریق کے کیا معنی ہونگے کہ درباب اتباع دین تو ہم مجبور ہیں پر درباب امور دنیاوی مجاز ہاں یوں کہیئے کہ ایک امر ہوتا ہے اور ایک مشورہ امر اگر ایجاب کیلئے ہے تو اتباع واجب ہے اور استحباب کیلئے ہے تو مستحب اور مشورہ میں رسول اللہ صلعم ہوں یا اور کوئی واجب الاتباع کوئی نہیں بلکہ خدا کیطرف سے اتباع مشورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں امر استحبابی تک نہیں لیکن ظاہر ہے کہ افعال اختیاری پر دو ثمرہ متفرع ہو سکتے ہیں منفعت و مضرت دنیوی یا منفعت و مضرت اُخروی سو بیان منافع و مضار دنیوی میں تو البتہ گنجایش مشورہ مذکور ہے پر درباره منافع و مضار اُخروی انبیاء کو مشیر سمجھنا شرک فی النبوۃ کی بناء کو مستحکم کرنا ہے یا انبیاء کرام علیہم السلام کو مثل عوام سمجھنا اگر بناء مشورہ وحی پر ہوا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم ہوا وشاورہم فی الامر اور اسوجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مشورہ سنت ہوگیا تو اسکے یہ معنی ہوں کہ آپ خاتم النبیین نہیں اور اگر مشورہ محض رائے

جواب امر ہفتم

یعنی یہہ کہنا کہ اِس حکم کیلیئے کوئی ماخذ ہے کیونکہ یہ منصب ثانی اگر اونکے لئے تجویز نہ کیا جائے تو یہ معنی ہوں
کہ یہ لوگ کذاب اور دروغگو تھے سو باوجود آثار صدق و دیانت اگر کسی کو کذاب کہنا جائز ہے تو راویان
حدیث صحیح کے کذاب کہدینے سے کون مانع ہے بالجملہ فقہاء ربانیین کو درباب ماخذ اگر راوی نہ سمجھا
جائے تو پہر دین کے لئے کوئی حجت ہی نہ ملے گی ہاں یہ بات مسلم کہ منصب اول میں گنجایش تاویل
ہے اسلیئے احتمال ثانی بھی رہتا ہے جسکے باعث یہ دوسرا ظن یہاں پیدا ہو گیا ہے اور اسوجہ سے وجوب
متعلق احکام مستخرجہ فقہاء مسلمین وجوب متعلق احکام منصوصہ سے رتبہ میں کم ہو گا مگر یہ کمی ایسی ہی ہو گی
جیسے نماز کی فرضیت اور روزہ کی فرضیت میں تفاوت کمی بیشی ہے اسلیئے یہہ کہنا تو غلط کہ قابل تسلیم
نہیں ہاں یہ بات مسلم کہ اوسکے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا پر انکار تو حدیث واحد کا بھی موجب کفر نہیں
اگر ہے تو موجب فسق ہے سو وہی فسق یہاں بھی لازم آئیگا بہت نہیں تھوڑا ہی سہی علی ہذا القیاس
یہ کہنا کہ دوسرونکے قول کو قابل تسلیم سمجھنا شرک فی النبوۃ ہے علی الاطلاق درست نہیں یہ بات جب ہے
کہ کسی دوسرے کو قطع نظر اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا سمجھے کہ اوسکا قول فعل بہر نہج واجب الاتباع
ہے سو اس قسم کا معاملہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کرے جیسا تابعان رسوم آباء بمقابلہ سنن مرسلین
باوجود تیقن ثبوت سنت و یقین بے سندی رسوم آباء کیا کرتے ہیں وہ شخص بیشک مصداق شرک
فی النبوۃ ہے اگر اپنے آباء کے ساتھ اونکو بھی عقیدہ جو انبیا علیہم السلام کے ساتھ اونکے پیرونکو ہونی
چاہیئے تب وہ لوگ مشرک حقیقی اور کافر تحقیقی ہیں ورنہ خوف تشنیع ابناء روزگار اگر فقط باعث اتباع
رسوم ہے تو اسصورت میں ایک ضعیف سا ایمان اس شرط پر متصور ہے کہ انبیاء وقت کے ساتھ
اعتقاد کما ینبغی رکھتا ہو بہر حال اگر قائل قول و فاعل فعل مستحق حسن ظن مورد ظن درباب کمال علم
و دیانت و امانت ہے اور اس امر میں اوسکے آثار اوسکے ان دونوں کمالوں پر ایسی طرح شاہد ہوں
جیسے دلاوران مشہور یا اسخیاء معروف کے آثار اونکی شجاعت و سخاوت پر شاہد تھی پھر تیسرا اونکی طرف
سے اوس فعل و قول کی نسبت صراحۃً یا اشارۃً یہ دعوی بہی ہو کہ یہ حکم خدا تعالیٰ یا سنت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اسطرف درباب علم یہ منصب ہو کہ مسائل دینیہ میں یہ پہچان سکیں کہ اس
موضوع و محمول میں باہم ارتباط ذاتی ہے یعنی موضوع محمول کے حق میں علت اور ملزوم ہے اور محمول
اوسکے حق میں معلول اور لازم ذات یا عرضی ہے یعنی ایک دوسرے کیلئے علت و معلول و لازم ذات

و اولیا کی اول تو اس عہدہ نیابت میں کلام یعنی اونکا عالم اور مستحق نیابت ہونا یقیناً معلوم نہیں ہوتا دوسرے اگر انکی نیابت معلوم بھی ہوجائے یعنی یہ یقین بھی ہوجائے کہ یہ اس مرتبہ کے عالم ہیں تو اسمیں کلام رہتا ہے کہ یہہ قول و فعل بوجہ ہوا و ہوس یا نسیان و خطا تو صادر نہیں ہوا ہاں اس قسم کے خیالات البتہ ظنی ہوسکتے ہیں یعنی جیسے بوسیلہ آثار کسیکا شجاع ہونا یا نامرد ہونا یا سخی ہونا یا بخیل ہونا یا صادق یا کاذب ہونا یا خوش اخلاق بداخلاق ہونا یا دوست دشمن ہونا یا متقی فاسق ہونا یا مومن کافر ہونا معلوم ہوجاتا ہے اور وہ علم موافق قواعد معلومہ ظنی ہوتا ہے ایسا ہی کامل العلم یا ناقص العلم ہونا یا تابع رضائے خدا یا تابع ہوا و ہوس ہونا بھی چھپا نہیں رہتا اور اسبات میں ویسا ہی یقین حاصل ہوجاتا ہے جیسا امور مذکورہ میں مگر چونکہ اہل علم اسکو یقین نہیں کہتے بلکہ اس یقین عوام کا نام اونکے نزدیک ظن ہے تو احکام ظن اوسپر عارض ہونگے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کم سے کم وجوب کیلئے ظن ضرور ہے تا مرتبہ شک ایجاب حکم متصور نہیں اور جب مرتبہ شک سے ترقی حاصل ہو یعنی ظن پیدا ہوجائے تو پھر وجوب آدباتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی دو گواہ عادل سنکر اگر حکم مخالف مدعی دے تو گنہگار ہو علی ہذا القیاس مخالفت حدیث واحد بشرط صحت موجب فسق ہے اگر در صورت ظن وجوب نہوا کرتا تو اس گنہگاری اور فسق کی کوئی وجہ نہ تھی اور ظاہر ہے کہ قاضی کو دو گواہوں سے یا سامع کو حدیث واحد سے یقین مصطلح حاصل نہیں ہوسکتا ہاں غلبہ ظن کہئے تو بجا ہے مگر ظن اگر موجب مراعات ہے اور سرمایۂ وجوب ہے تو جہاں دینیات میں دو قول مختلف ہوں اور ایک کی طرف ظن غالب ہو تو موافق قاعدہ مذکورہ جسپر قواعد شرعیہ بھی مبنی ہیں اور عقل شاہد ہے وہی وجوب عائد ہوگا ہاں اختلاف ظنون ممکن ہے یہ ہوسکتا ہے کہ کسیکو ایجاب کیجانب ظن ہو کسیکو سلب کیجانب بہرحال یہہ کہدینا کہ کسیکا قول و فعل بلا سند قابل تسلیم نہیں از روئے بیان بالا قابل تسلیم نہیں اور کیونکر علی الاطلاق ایسی بات کہدیجے نہ تو کہنے والے کو اس بات کی گنجایش کہ اگر کسیکا قول و فعل بلا سند معلوم قابل تسلیم نہیں تو راویونکا یہ کہنا کہ یہ روایت قول خداوندی ہے یا قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر قابل تسلیم ہوسکتا ہے اگر بوجہ صداقت ظن صحت اور حسن ظن ہے تو فقہا اور علما نے کیا گناہ کیا ہے اونکے ساتھ بھی حسن ظن چاہیئے اگر اونکے قول کیلئے ہمکو سند معلوم نہیں تو در باب وجود ماخذ قول مذکور فقہا اور علماء ربانی روایت حدیث سے استحقاق حسن ظن میں کم نہیں غرض فقہا در باب اقوال مستخرجہ دو منصب رکھتے ہیں ایک تو یہی منصب استخراج و استنباط دوسرے منصب روایت

کلام اللہ نہ کسی محدث کا قول معتبر ہے نہ کسی مفسر کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائیگی
مگر تخالف اور توافق کا سمجھنا ہم جیسونکا کام نہیں اسکے لئے تین علمونکی ضرورت ہی۔ ایک تو علم یقینی معانی
قرآنی دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جسکو یہ منصب خدا عطا کرے اوسکے بڑے
نصیب ورنہ یوں جاہل اور نیم ملا اس بات میں ٹانگ اڑانے لگیں تو انکا یہ دخل بیجا ایسا ہی ہوگا جیسے کسی
طبیب حاذق کی بات میں کسی نادان یا کسی نیم طبیب کا دخل سو جیسے طبیب حاذق سے بوجہ خطا و نسیان
ذاتی مخالفت قوانین طب کسی خاص واقع میں ممکن ہے پر ادویہ پر گرفت کرنا مریض نادان یا نیم طبیب کا
کام نہیں ایسے ہی محدث اور مفسر سے مخالفت غرض قرآنی بوجہ خطا و نسیان ممکن ہے پر ہمسے جاہل یا ہمسے
نیم ملا کا یہ منصب نہیں کہ ہم بھی اوسکو دریافت کر سکیں یا در باب صحت تخالف ہمارا قول معتبر ہو سکے
ہاں البتہ یہ بات ممکن ہے کہ دو تفسیریں سنکر بشہادت وجدان ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح سمجھ لیں
اس لئے کہ بات کا نکالنا مشکل ہے پر بتلانے پر سمجھ لینا آسان ہے بہر حال ہر کارے و ہر مردے مخالفت
کا سمجھ لینا ہر کسی کا کام نہیں اور بعد اطلاع مخالفت جب اکابر کے اقوال قابل قبول نہ ہوئے تو ہمارے
تمہارے یا سید صاحب کے اقوال اگر مخالف کلام اللہ یا حدیث ہونگے تو بدرجہ اولےٰ مقبول نہونگے پنجم یہ کہ
کسی آیت کا منسوخ الحکم ہوکر دفتین سے خارج ہوجانا وجوب عمل قرآنی میں کچھ جارح نہیں اگر ہمکو کسی آیت
معلومہ کا منسوخ التلاوۃ ہوجانا معلوم ہوجائے تو ہرگز تیقن احکام واجبہ میں کچھ فرق نہیں پڑتا ہاں درصورتیکہ
آیت خارجہ معلوم التشخص والحکم نہو تو البتہ پھر یہہ احتمال ہے کہ شاید وہ حکم ناسخ ہو اور کوئی حکم احکام موجودہ
میں سے منسوخ یا برعکس کہئے اسصورت میں واجب اور غیر واجب کا پہچاننا حد بشر سے خارج ہوجائیگا اور درباره
شناخت حق و باطل اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت پر چنداں تفوق نہو ششم۔ خداوند کریم بالذات مطاع
ہے اور انبیا بوجہ رسالت اور علما بوجہ تبلیغ رسالت غرض خدا کو بمنزلہ بادشاہ سب کا افسر سمجھو اور انبیاء کو
بمنزلہ وزراء یا نواب جنکی حکومت مستقل نہیں ہوتی بلکہ عطاء بادشاہی اور مستعار ہوتی ہے جب چاہے
چھین لے اور حکام ماتحت جو زیر حکم وزراء و نواب ہوا کرتے ہیں وہ اور بھی نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں
کیونکہ وہ انہیں وزراء اور نواب ہوکر حکمرانی کیا کرتے ہیں بہر حال بعد خدا بالذات مطاع و حاکم کوئی نہیں
ان الحکم الا للہ مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ انبیا کا مطاع ہونا اگرچہ بالعرض کیوں نہو بوجہ تیقن رسالت یقینی
ہوتا ہے اور پھر بوجہ معصومیت احتمال دخل فصل نہیں ہوتا فقط ایک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اور علماء

جواب جمل پنجم

جواب جمل ششم

فقط قبضہ ہے جو خالق میں بوجہ اتم پایا جاتا ہے کون نہیں جانتا کہ وجود ممکنات مستعار و عرضی ہے جسکے لئے معطی اور موصوف بالذات وہی موجود برحق ہے اور ظاہر ہے کہ صفات عرضیہ عین حالت عروض میں موصوف بالذات ہی کے قبضہ میں رہتی ہیں نکل نہیں جاتیں دیکھ لیجئے وقت تنویر ارض بھی نور آفتاب ہی کے قبضہ میں رہتا ہے نکل نہیں جاتا اسلئے تمام کائنات پر ہر قسم کے حکم احکام کا اختیار رکھتا ہے کسی دوسرے کے ملک کی ہوتی تو البتہ اوسکی اجازت جناب باری کے لئے ایک پیمانہ تصرف ہو سکتا تھا باقی رہا حسن و قبح کا جھگڑا اوسکا مبنی اگر اسی حکم پر ہے تب تو خیر ہر حکم حسن ہے ورنہ مراعات حسن و قبح درباره امر و نہی بوجہ مجبوری نہیں بوجہ حکمت و فضل ہے

جواب اصل دوم

دوم کلام خداوندی اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مخالف حقیقت اور مخالف واقع نہیں ہو سکتا ایسی ہی حقیقت اور واقع کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کیطرف رجوع کیا جائے سوا گر کوئی طریقہ درباره اخبار واقع و حقیقت مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے وسیلہ سے اوسکی تغلیط کر سکینگے پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اوس طریقہ کے بھروسے نہیں کر سکتے اس صورت میں اگر اشارہ عقل معارض اشارہ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں غرض عقل کی بات یہ ہی کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ نمونہ صحت اور سقم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں نہ بر عکس علی ہذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ و حدیث کو جو باعتبار قواعد صرف و نحو دلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اوسپر مطابق کریں اگر کھینچ کھینچا کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں یہ نہو کہ اپنے خیالات و اوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ و حدیث کو کھینچ تان کر اوسپر مطابق کریں۔

جواب اصل سوم

سیوم اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید کا کوئی کلمہ خلاف واقع نہیں مگر اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کبری کلیہ کیلئے کوئی صغری جزئیہ بوسیلہ عقل دریافت کر لینا ہمسے ہیچمدانوں کا تو کیا حوصلہ جناب سید صاحب اور مولوی مہدیعلیخانصاحب کا بھی کام نہیں یعنی بوسیلہ عقل یوں نہیں کہہ سکتے کہ ہذا حقیقة او واقع اور کہیں تو تا وقتیکہ کلام اللہ کے معنی متبادر مطابقی کے مطابق ہی تو بسر و چشم ورنہ کالاے زبون بریش خاوند مگر یہ یاد رہی کہ معنی مطابقی سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں ہاں اگر کوئی اور دلیل نقلی یا عقلی سے ایسی بات ثابت ہو جائے جو معنی مطابقی کے مخالف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ غرض جاء زید سے زید کا فقط آنا ثابت ہوگا سوار ہونے یا پیادہ آنے سے سروکار نہیں۔

جواب اصل چہارم

چہارم۔ وقعی مخالف

غریبوں کے فہم و فراست کا کہیں ایک بھی نہیں سنا۔ اسصورت میں کیونکر کہدیجے کہ سید صاحب ایک غریب سے شیخ زادہ کی مان جائیں ؎ کب وہ سنتے ہیں کہانی میری * اور پھر وہ بھی زبانی میری ہمسے شکستہ حالونکی باتونپر موافق مصراع غالب ؎ میں کہونگا حال دل اور آپ فرمائینگے کیا۔ ایسے عالی مراتب دانشمند ہرگز توجہ نہیں فرمایا کرتے باایںہمہ ایسی چھیڑ چھاڑ ونمیں کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ادنی نے بھی کسی اعلی کی مانی ہو۔ اسصورت میں ایسی برعکسی کی کیا امید باندہیئے۔ پیرجی صاحب یہ گمنام کبھی کسی سے نہیں اولجھتا اور اولجھے بھی تو کیونکر اوجھے وہ کونسی خوبی ہے جسپر کمر باندھ کر لڑنے کو تیار ہو ایسی کیا ضرورت ہے کہ اپنے عمدہ مشاغل کو چھوڑکر اس نفسا نفسی میں پھسوں ہاں اس میکچھ شک نہیں کہ سنی سنائی سید صاحب کی اولوالعزمی اور دردمندی اہل اسلام کا معتقد ہوں اور اسوجہ سے اونکی نسبت اظہار محبت کروں تو بجا ہے مگر اتنا یا اس سے زیادہ اونکے فساد عقائد کو سُن سُن کر اونکا شاکی اور اونکی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں مجھکو اونکی کمال دانش سے یہ امید تھی کہ میرے اِس رنج کو ثمرہ محبّت سمجھکر تہ دل سے اپنے اقوال میں مجھسے استفسار کرینگے باین خیال کہ گاہ باشد کہ کودک ناداں * بغلط بر ہدف زند تیرے اسطرف کو دل لگائینگے مگر اونکی اِس تحریر کو دیکھکر دل سرد ہوگیا۔ یہہ یقین ہوگیا کہ کوئی کچھ کہو وہ اپنی وہی کہے جائینگے اونکی انداز تحریر سے یہہ بات نمایاں ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایسا سمجھتے ہیں کہ کبھی غلط نہ کہیں گے اسلیئے جی میں یہ آتا ہے کہ قلم ہاتھ سے ڈالدیجے۔ مگر کیا کروں آپکا تقاضا جدا جان کو کھائے جاتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد جدا ہی ڈراتا ہے گویم مشکل وگرنگویم مشکل جبنے کہے نہ بنی تو قلم کو روک روک کر کچھ مختصر مختصر ایکبار عرض کر دینا مناسب جانا اور جی میں یہ ٹھانا کہ ہرچہ بادا باد پھر قلم نہ اوٹھانا کہیں مدلل کہیں بے دلیل ایکبار تو اپنے مافی الضمیر کو لکھ کر روانہ کرائے اگر سید صاحب نے انصاف فرمایا تو پھر بھی دیکھا جائیگا ورنہ اپنے حق میں کوئی جائز نہیں جو مجبوری کا اندیشہ ہو بہرحال بہ ترتیب اصول مسطورہ سید صاحب یہہ معروضات معروض ہیں۔ اوّل واقعی خدا واحد ذوالجلال ازلی وابدی خالق وصانع تمام کائنات کا ہے فاعل ہوں یا افعال اور افعال بھی اختیاری ہوں یا اضطراری اور یہی وجہ ہے کہ خداوند لایزال کو مالک کائنات اور کائنات کو اسکا مملوک سمجھنا چاہیئے کیونکہ اسباب انتقال ملک اگرچہ متعدد ہوں پر علت حدوث ملک

جواب اصل اول

پانزدہم۔ تمام افعال واقوال رسول خدا صلعم کے سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کیطرف کرنی سخت بے ادبی ہے جسمیں خوف کفر ہے۔

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت وقت کے معنی سمجھے ہیں یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر مصلحت وقت کا لحاظ کر کر اوسکو کہدیا یا کرلیا اگرچہ اونکے سوا اور چند اصول بھی ہیں مگر آجتک جو کچھ تحریر ہوئی ہے وہ اکثر یا قریب کل کے سوائے ایک آدھ مسئلہ کے انہیں اصول پر مبنی ہے۔ پس اگر بزرگان سہارنپور ان اصول کی غلطی سے مجھے مطلع فرماوینگے میں دل وجان سے شکر ادا کرونگا۔ والسلام۔

سیّد احمد

جواب ازطرف جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجموعہ عنایات پیرجی محمد عارف صاحب السّلام علیکم وعلی من لدیکم آج بندہ درگاہ دلّی سے میرٹھ واپس آیا تو مولوی محمد ہاشم صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب کا عنایت نامہ جو آیا رکھا تھا عنایت فرمایا۔ کھولا تو آپکا خط اور جناب سید احمد خانصاحب کی ایک بڑی تحریر اندر سے نکلی شاید یہہ قصہ اوس گفتگو کا نتیجہ ہے جو آخر ماہ شوال میں بمقام انبہٹھ[۱] مابین احقر وجناب سیّد صاحب کی ہوئی تھی تحریر سے کچھہ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپنے میرے آنیکا کچھ تذکرہ اونسے کیا ہوگا مگر مجھکو یاد نہیں آتا کہ آپنے کس بات سے سمجھا ہوگا اوسوقت کی عرض ومعروض کا ماحصل فقط اتنا ہی تھا کہ سیّد صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا ہمسے جبھی متصور ہے کہ سیّد صاحب اپنے اون اقوال مشہورہ سے رجوع کریں جو اونکی نسبت ہر کوئی گاتا پھرتا ہے اور سیّد صاحب اونپر اصرار کئے جاتے ہیں اور رجوع نہیں فرماتے مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ گذارش میری طرف سے آپکی اوس استدعا کے جواب میں تھی جو آپنے دربارۂ شمول حال جناب سیّد صاحب اس نا کام سے کی تھی۔ بہرحال آنے جانیکا کچھ مذکور نتھا آپ ہی فرمائیں کہ ہمسے گرفتاروں کو اتنی رہائی کہاں کہ بنارس غازیپور اوڑ جائیں۔ اور ہمسے بیچاروں کو اتنی رسائی کہاں کہ سید صاحب کے در دولت تک نوبت پہونچائیں اپنا مبلغ پرواز میرٹھ حد نہایت دلی ہے تسپر نقارخانے میں طوطی کی کون سنتا ہے کیا آپکے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ صدر الصدور اعظم ایک غریب سے مزدور کے طور پر ہو جائیں اجی حضرت امیرونکے ذہن وفہم وعقل ادراک کے ہزاروں گواہ ہوتے ہیں

[۱] انبہٹھ قصبہ سہارنپور ایک قصبہ ہے ۱۲ ع

اعتقاد رکھنا شرک فی النبوۃ ہے۔
مقصود یہ ہے کہ جسطرح عام انسانوں اور پیغمبرؐ میں تفاوت ہے اوسیطرح اونکے قول و فعل میں بھی تفاوت ہے
ہفتم۔ دینیات میں سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور
دنیاوی امور میں مجاز اس مقام پر سنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہیں فقط
ہشتم۔ احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی سب ظنی ہیں۔
نہم۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہوسکتا پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے
کہ ایمان اور اوسکے وہ احکام جنپر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہوں مثلاً ہم خدا کے ہونے پر
ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اوسکی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں۔
دہم۔ افعال امورہ فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اونکے خواص
حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر و نفع سے مطلع کردے اس مقام
پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو۔
یازدہم۔ تمام احکام مذہب اسلام کی فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا
اور سوجھا کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا۔
دوازدہم۔ وہ قویٰ جو خدا تعالے نے انسان میں پیدا کئے ہیں اون میں وہ قوا بھی ہیں جو انسان کو
کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوۃ بھی ہے جو اوس فعل کے ارتکاب سے روکتی
ہے۔ ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان
کن کن قوا کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا۔ اور اوسکے علم کے برخلاف ہرگز نہ ہوگا مگر اوس سے
انسان اون قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جبتک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے اوسمیں ہیں مجبور
نہیں متصور ہوسکتا۔
سیزدہم۔ دین احکام اون مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں فقط
چہاردہم۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور وہ
بالکل فطرت کے مطابق دوسرے وہ جنسے اون اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت
اور عمل میں اون دونوں کا رتبہ برابر ہے۔

خط سید احمد خاں صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی

جناب پیرجی صاحب مخدوم مکرم سلامت - بعد سلام مسنون کے عرض یہہ ہے کہ بزرگان سہارنپور نے جو نوازش و دلسوزی میرے حال زار پر کی جسکا ذکر آپنے مجھسے فرمایا میں دل سے اونکا شکر ادا کرتا ہوں اگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لاویں تو میری سعادت ہے میں اونکی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھونگا مگر اسوقت مرزا غالب کا ایک شعر مجھے یاد آیا ہے وہو ہذا ؎ حضرت ناصح جو آویں دیدہ و دل فرش راہ ؛ کوئی مجھکو یہ تو سمجھاؤ کہ سمجھاوینگے کیا * جناب من میری تمام تحریریں جنکے سبب میں کافر و مرتد ٹہرا ہوں اور وحدانیت و رسالت کی تصدیق کے ساتھ کفر جمع ہوا ہے جو میرے نزدیک محالات سے ہے چند اصول پر مبنی ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو اون اُصولوں کو بزرگان سہارنپور کیخدمت میں بہیجدیں اگر اون میں کچہ غلطی ہے تو بلاشبہہ نصیحت ناصح کارگر ہوگی ورنہ ایسا نہ ہو کہ ناصح ہی مجہ سے نہ ہوجاویں۔ اور وہ اصول یہ ہیں۔

اوّل خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے۔

دوئم۔ اوسکا کلام اور جسکو کہ اوسنے رسالت پر مبعوث کیا اوسکا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ نہیں ہوسکتا۔

سوم قرآن مجید بلاشبہہ کلام الہی ہے کوئی حرف اوسکا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقعہ۔

چہارم قرآنمجید کی جسقدر آیات کہ ہمکو بظاہر خلاف حقیقت یا خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہیں دو حال سے خالی نہیں یا تو اون آیات کا مطلب سمجھنے میں ہمسے غلطی ہوئی ہے یا جسکو ہمنے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اوسمیں غلطی کی ہے۔ اسکے برخلاف کسی محدث یا مفسر کا قول قابل تسلیم نہیں ہے۔

پنجم جسقدر کلام الہی جناب پیغمبر خدا صلعم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے ایک حرف بھی اوس سے خارج نہیں ہے اگر ہو تو کوئی آیۃ قرآن مجید کی بطور یقین حل نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو فقط نہ ملنا کسی آیت کا اوسکے عدم وجود کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

ششم۔ کوئی انسان سوائے رسول خدا صلعم کے ایسا نہیں ہے جسکا قول و فعل بلاسند قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو۔ یا جسکی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو اوسکے برخلاف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوۃ کے بعد طالب نجات محمد حیات عرض کرتا ہے کچھ عرصہ گذرا کہ جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور جناب سید احمد خان صاحب سی ایس آئی کے درمیان پیرجی محمد عارف صاحب کے توسط سے ایک مراسلت دربارۂ عقائد اسلام ہوئی تھی۔ ازبس کہ مولانا ممدوح یادگار سلف و افتخار خلف ہیں اور اس زمانہ میں کہ علوم اسلامیہ کو تنزل ہو گیا ہے ایسے عالم ربانی اور فاضل حقانی جو شرع اسلام کے غوامض و نکات کی تہ کو سمجھیں اور کمالات ظاہر و باطن کے مظہر ہوں نہایت مغتنمات سے ہیں لہذا میں نے خیال کیا کہ حضرت موصوف کا کلام فیض نظام جو صدق و دیانت اور استحسان و متانت سے بھرا ہوا ہے اور محض صلاح و سداد و ہمدردی و وداد کی نیت سے ہی معرض طبع میں آوے تا کہ ہمارے معاصرین علوم جدیدہ کی درخشانی اور نئی روشنی کی براقی سے خیرہ نہوں بلکہ عقائد اسلام کی اصلی تنویر اور حقیقی ضیا سے چشم بصیرت کو روشن کریں اور نیز سید صاحب ممدوح جو تصفیہ و تہذیب کے عقائد اسلام میں صرف محبت و دلسوزی اور قومی ترقی حال و مآل کی نظر سے چاہتے ہیں اوسکا اندازہ اہل روزگار بخوبی کر سکیں تعصب و نفسانیت میں مبتلا نہوں کیونکہ جو امر حق درست ہے اوسکو بلاشبہ اختیار کرنا اور نقص و زوائد سے بچنا چاہیئے۔ اس مراسلت کی طبع سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسکے ملاحظہ سے کسی کی نسبت مباہات و تفاخر اور کسی سے مخالفت و تنافر ظاہر ہو بلکہ ناظرین سے التجا کرتا ہوں کہ وہ بلا لحاظ اس امر کے کہ متکلم کون ہے کلام سے نصیحت و برکت حاصل کریں ورنہ یہ بات ہے کہ موافقت و مخالفت کے اعتبار سے محض دل خوش کرنے کیلئے یہ مراسلے چھاپے جاتے ہیں میں توقع رکھتا ہوں کہ عقائد اسلام کے حقائق سمجھنے میں اس تحریر سے اہل بینش کو تصفیہ حاصل ہوگا اور اوسی نظر سے نام بھی اسکا تصفیہ العقائد رکھدیا گیا۔

تصفیۃ العقائد

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

۱۳۴۲ھ

یعنی

وہ دلچسپ مراسلت جو شمس العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم طاب ثراہ بانی دارالعلوم دیوبند۔ اور اس زمانہ کے سی۔ ایس۔ آئی بہادر بانی علیگڈہ کالج کے درمیان عقائد ملۃ اسلام اور اصول شریعۃ حنیفیہ کی تحقیق و تنقیح کے متعلق چند روز تک رہی۔ اور جس نے نہ صرف یہ کہ انصافاً تمام مختلف فیہ مسائل کا مختصر پیرایہ میں فیصلہ کر دیا بلکہ بہت سے متفق علیہ مسائل کی حقیقت فہمی میں بھی اہل اسلام کو قیمتی مدد پہنچائی

باہتمام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دام فیضہ

بتصحیح تام و تنقیح مالاکلام و بانتظام اقل الانام محمد عماد الدین انصاری ناظم مطبع غفرلہ

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں طبع ہوئی

